بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

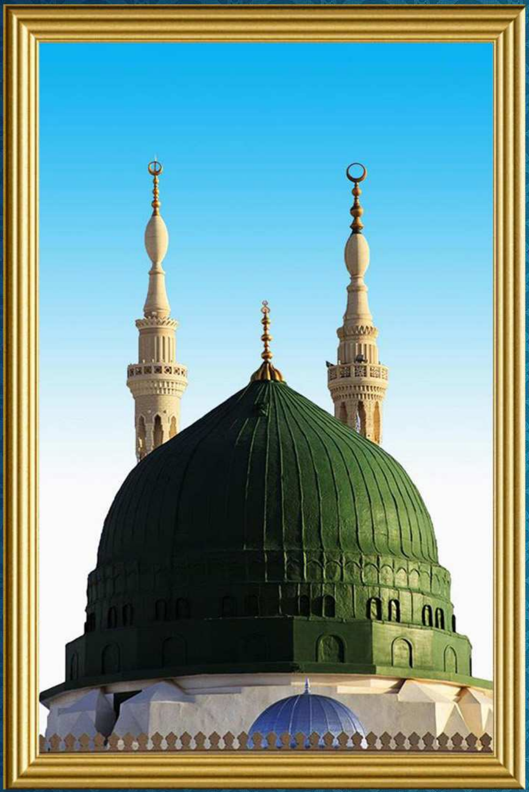

سیّد حماد رضا بخاری

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم)

حصّہ اوّل: مکی دَور

حصّہ دوم: مدنی دَور

حصّہ سوم: تکمیل دِین

سیّد حماد رضا بُخاری

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب	بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
تالیف	سیّد حماد رضا بخاری
پروف ریڈنگ	ڈاکٹر سیّدہ شاہین صبا بخاری
کمپوزنگ	بخاری گرافکس، فیصل آباد
ناشر	بخاری پبلشرز، فیصل آباد
طبع اوّل	مئی ۲۰۱۷ء
قیمت	
ای میل مؤلف	hrbukhari@hotmail.com
فون نمبر مؤلف	0300-9655650

بخاری پبلشرز

پی-14، سادات سرکل، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

فون نمبر: 0301-8422555

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ اظہر حسین بہشتی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

دُنیا میں کچھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو تاریخ کا رُخ موڑ دیتی ہیں، انھیں میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہستی جس نے مختصر سے عرصے میں دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا، پرچمِ اسلام کو بلند کیا اور اقدارِ انسانی کو اپنی معراج تک پہنچا دیا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کے بارے میں یوں قصیدہ کہا،

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ○''

(اور بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم خوئی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان فرمایا،

''وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ''

(اے محبوب! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ان کے لیے اتنے نرم دل ہیں اور اگر تند مزاج و سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے گرد و پیش سے منتشر ہو جاتے۔ سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۵۹)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شرحِ صدر یعنی وسعتِ قلبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی،

''اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ○''

(کیا ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔ سورۃ الشرح، آیت ۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اخلاق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم خوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شرحِ صدر ہی تھا جس کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تحریکِ اسلام اور یہ انقلاب کامیاب ہو گیا۔ اسلام کی نشر و اشاعت آپ کے کردار کی بُلندی کی وجہ سے تھی نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ بعض اوقات بعض دشمنانِ اسلام کی طرف سے یہ اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور اس کی طرف داری بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی کر ڈالی جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کردار کا پرتو ہے، اگر اسلام میں جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے

کہ یہ ساری جنگیں دفاعی جنگوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پھر اگر قرآن کو حکم مان کر اِس سے فیصلہ لیا جائے تو قرآنِ مجید واضح طور پر اعلان کرتا ہُوا نظر آتا ہے کہ اسلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ کردار کے ذریعے دُنیا میں پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر جیسا کہ مندرجہ بالا آیات آپ کی نظر سے گزریں۔ قرآنِ مجید نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی کو انسانیت کے لیے اُسوۃ قرار دیا اور فرمایا،

''لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ''

(بیشک تمھارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات میں (پیروی کے لیے) بہترین نمونہ ہے۔

سورۃ اُحزاب، آیت ۲۱)

بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو تلوار کے زور پر اسلام پھیلائے اُس کی زندگی کو تمام انسانیت کے لیے اُسوۃ اور نمونہ قرار دے دیا جائے؟ لہٰذا اِس مقام پر غور وفکر کرنا چاہیئے کہ یہ نظریہ کن لوگوں کا ہے؟ آیا حامیانِ اسلام کا ہے یا دشمنانِ اسلام کا؟

قارئین محترم! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب برادرِ عزیز سیّد حماد رضا بخاری کی ایک بہترین کاوش ہے۔ اِس کتاب میں انھوں نے اپنی گزشتہ کاوش، ''صَلُّوا عَلَیۡہِ وَآلِہٖ'' کی طرح اہلِ اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر کی روایات کو یکجا کیا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جو توہین آمیز روایات نقل کی جاتی ہیں اُن کا بہترین اسلوب میں جواب بھی دیا ہے۔ حماد بخاری صاحب ایک سچے عاشقِ رسول ہیں، اِس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعے کے دوران میں خود بخود ہو جائے گا۔ خداوند متعال ان کی اِس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔

والسّلام

اظہر حسین بہشتی

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ ہجری

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ سیّد مزمل نقوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

تاریخ کے دامن میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ حقائق بھی اور افسانے بھی، قصّے بھی اور کہانیاں بھی، رُموز بھی اور اشارات بھی، تفصیل بھی اور اجمال بھی، سچ بھی اور جھوٹ بھی۔ یہ تو محقق کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح حقائق کو سچے موتیوں کی طرح چنتا اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرتا ہے۔

سیرت کی کتب بھی اس سے مستثنٰی نہیں۔ سیرت نگاروں نے عمداً یا سہواً بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو صاحبِ سیرت کی شان کے منافی ہوتی ہیں۔ بعد میں آنے والے مصنفین بھی تبصرہ کیے بغیر اُن ہی باتوں کو نقل کر دیتے ہیں جنھیں پڑھ کر ایک عام قاری الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔

بردار محترم سیّد حماد رضا بخاری ایسی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت ان کے زیرِ قلم آ جائے تو اُس پر بحث ضرور کرتے ہیں۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنا نظریہ تو بیان کرتے ہیں لیکن قاری پر تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قاری کے ذہن کو جستجو کی راہیں دکھاتے ہیں، حق بھی یہی ہے، قرآن وسنت کا پیغام بھی یہی ہے۔ تدبر کرنا قرآن کی آرزو ہے، غور وفکر کرنا انبیا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ہے۔ اسی سے انسان آگے بڑھتا ہے، ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پالیتا ہے۔ یوں خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' اپنے نام کی طرح ایک منفرد تالیف ہے۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار پر فاضل محقق کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ جسے اپنا کر نہ صرف ایک عام فرد بلکہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا باشعور اہلِ علم و ذوق انسان اپنی زندگی کو عظیم انسانی قدروں کے مطابق ڈھال سکتا ہے، کیونکہ اس کتاب میں اُس ذات والا صفات کی سیرت بیان کی گئی ہے جسے خدا نے اسوۂ حسنہ اور انسانیت کے لیے نمونۂ عمل قرار دیا ہے۔

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے انسان کامل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کے لیے فاضل مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

خداوندمتعال ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور وہ اپنے ترشحاتِ قلم سے لوگوں کو مستفید کرتے رہیں۔ (آمین)

سیّد مزمل نقوی

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ ہجری

۱۸ اپریل ۲۰۱۵ء

تقریظ

حجۃ الاسلام علامہ محمد علی غازی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

برادر محترم عزت مآب جناب سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' جو کہ نام سے ہی کمال اور عظمت کی عکاس ہے، کے ابواب کو سطحی نظر سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، واقعاً کتاب اسمِ با مسمیٰ ہے۔

اُس عظیم ہستی جسے اللہ رب العزت ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ'' کا عظیم مژدہ سنائے، کے کمالات کو قلمبند کرنا کوئی آسان کام نہیں اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس عظیم کارنامے کے لیے اللہ کی طرف سے توفیق اور جس ہستی کی محبت میں یہ نیک قدم اٹھایا گیا ہے اُس کی نظرِ رحمت کا شامل حال نا ہونا ناممکن ہے۔

کتاب جس ہستی کے نام سے منسوب ہے صاحبِ کتاب نے اپنی بساطِ علمی کے تحت اُس ہستی کی سیرتِ طیبہ کو کمال خوبی اور تحقیق کے معیار و ملاک کو سامنے رکھتے ہوئے کما حقہٗ پیش کیا ہے۔

یقیناً اُس نور کی سیرتِ نورانی کا بیان دُنیا و آخرت کے لیے سرمایۂ ابدی ہے، شانِ مظہرِ کمالِ الٰہی کا بیان اور اُن کمالات کو قلم بند کرنا پھر وقت نکال کر پڑھنا یقیناً ہم سب کے لیے سرمایۂ ابدی ہے۔

جناب سیّد بزرگوار نے ایک ایسا نیک قدم اٹھایا ہے جسے تعبیرِ علمی و عملی میں حسنہ جاریہ کہا جاتا ہے۔

اللہ اِس حسنہ جاریہ کو بحقِ ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین۔

الاحقر

محمد علی غازی

نجف اشرف، عراق

۲۰ جمادی الثانی، ۱۴۳۸ ہجری

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر مولانا قدسی رضوی

(پی ایچ ڈی، ہندوستان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہُوا ہے اُس وقت سے آج تک ہر دَور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی الٰہی راہنما اور ہادی ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت و کردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق و اعمال کی درستی کا درس دیا۔ ان الٰہی اور اخلاقی راہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ ان ہی راہنماؤں میں سے ایک مقدس و پاک ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری زندگی کارِ تبلیغ سے بھری ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں ایسی اُمت ابھری جو تمام قوموں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی اور اس سے دنیائے بشریت کو ایسا اعلیٰ نمونۂ حیات حاصل ہُوا کہ اگر سارا عالم اس کی آواز پر لبیک کہہ کر عمل پیرا ہوجائے تو اس کو خاطر خواہ استقامت حاصل ہوجائے اور انسان ترقی کی طویل منزلیں طے کرلے جس سے حیاتِ انسانی کے گونا گوں جوہر آشکار ہوجائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محنتِ شاقہ نے ایک مردہ و افسردہ قوم میں زندگی کی رُوح پھونک دی۔ باہم برسرِ پرخاش قبیلوں کے مجموعۂ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنادیا جس کا محرک عمل حیات ابدی کی اُمید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعائیں اُس وقت علیٰحدہ علیٰحدہ دلِ انسانی پر پڑی تھی اُنھیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک نقطہ پر مرکوز کردیا۔ معاشرہ کو نہ صرف ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا بلکہ اس معاشرے کے افراد کو انسانیت کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان میں روحانی واخلاقی پاکیزگی، فرد کی آزادی اور فرد اور معاشرہ کے مابین ایک توازن قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

کتابِ ہذا محترم سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی انتھک علمی کاوشوں اور تحقیقی ذوق کا بہترین نتیجہ ہے۔ یہ کتاب اپنے آپ میں ایک ''نیا دَور'' ہے سیرت کی کتب کے حوالے سے۔ مؤلف محترم نے جہاں زبان کی سادگی اور سلاست کو بخوبی اپنایا ہے وہیں ایک بہترین علمی تسلسل کو بھی رواں رکھا ہے۔ بہت کم ایسی کتب سامنے آتی ہیں جہاں روانئ تحقیق کے ساتھ الفاظ کی نشست اور جملات کا استعمال ممدوح کی شان اور عظمت کے منافی نہیں ہوتے۔ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اُن تمام باطل افکار کو رَد کیا گیا ہے جو سیرتِ طیبہ پر دھبہ لگانے کی بیکار کوشش کرتے ہیں اور پاکیزہ نقوشِ عصمت کو مندمل کرنے کی سازش میں گرفتار رہتے ہیں۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اس بہترین علمی سرمایہ کو مطالعہ میں لائیں اور اس کے مندرجات سے قلب و نفس کو منور کریں۔

میں، بصمیمِ قلب دُعا گو ہوں کی محترم محقق سیّد حماد رضا بُخاری صاحب کی توفیقاتِ دینی میں اضافہ ہو اور آپ کا قلم ہمیشہ حق کی وکالت میں چلتا رہے۔ اللہ سے بتصدقِ اہل بیت اطہار علیہم السلام ان کی صحت وسلامتی اور کامیابی کے لیے دُعا ہے۔

والسّلام ورحمت اللہ

احقر العباد

ڈاکٹر قدسی رضوی

ہندوستان

۲۱ مارچ ۲۰۱۷ء

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر ظہیر عباس
(پی ایچ ڈی، پاکستان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(''بلغ العلیٰ بکمالہٖ'' ایک تاریخ ایک تحقیق)

اُردو ادب میں ''سیرت نگاری'' بحیثیت فن اور صنف ایک ممتاز مقام رکھتی ہے، یہ صنف جہاں سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے حسین جھروکوں کو وا کرتی ہے وہیں فکری اور علمی دریچوں کو بھی روشن کرتی ہے۔ ایک سیرت نگار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور عقیدت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ جب پوری ایمانداری کے ساتھ حقائق و واقعات کو پیش کرتا ہے تو یہ صنف اپنے اوجِ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ حقائق و واقعات کا باہم مربوط ہونا ہی تحقیق کی علامت ہوتا ہے۔ بغیر تحقیق کے تاریخ محض واقعات کا مجموعہ کہلا سکتی ہے۔ بحیثیتِ طالب علم راقم کو ایک چیز ہمیشہ اُلجھن میں ڈالتی ہے کہ تاریخ اور سیرت کی کُتب میں واقعات کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے حقائق کچھ اور بتا رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے سیرت نگاری ایک نازُک اور حساس کام ہوتا ہے، اس میں مصنف کو احتیاط، وسیع مطالعہ اور تحقیقی استدلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی دو آراء نہیں کہ سیرت نگاری میں اکثر سیرت نگاروں نے اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اسے اُردو ادب میں ممتاز اور نمایاں مقام تک پہنچایا ہے۔

''بلغ العلیٰ بکمالہٖ'' بھی سیرت نگاری کے تمام تقاضوں پر پورا اُترتی ہے۔ اس

کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی بھی غیر معتبر روایت کو شامل نہیں کیا گیا اور نہ ہی ایسا اندازِ تحریر اپنایا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے زیبا نہیں۔ مصنف نے ہر واقعے پر بڑا مفصل اور معتبر علمی استدلال پیش کیا ہے جو واقعے کی اصل رُوح کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف نے تاریخ اور سیرت کی کُتب سے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں وہ اسے ایک تحقیقی مقالہ کے درجے پر فائز کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مصنف نے فنی معیار کا خاص اہتمام کیا ہے۔ تحریر کا اُسلوب اتنا سادہ اور عام فہم ہے کہ جس پر کسی بھی مسجع اور مقفیٰ عبارت کو قربان کیا جا سکے۔

یہ کتاب ایک عام فہم قاری کے لیے بھی یکساں مفید ہے۔ اس میں لفظی رعایت، جملہ سازی اور دُرست املا کے تمام اُصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے جو کہ زُبان اور نثری خصوصیات پر پورا اُترتے ہیں۔

"بلغ العلیٰ بکمالہٖ" سیرت نگاری کے میدان میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ راقم کی دُعا ہے کہ اللہ پاک سیّد حماد رضا بخاری صاحب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ہمیں اس کتاب سے مستفید ہونے کا شرف بخشے۔ آمین۔

ڈاکٹر ظہیر عباس
فیصل آباد
۲۴ مارچ، ۲۰۱۷ء

فہرست
حصّہ اوّل
(مکّی دور)

ہدیہ	33
انتساب	34
مقدمہ	35
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تخلیق	38
نُورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اصلابِ طیّبہ سے ارحامِ مطہرہ کی طرف انتقال	44
نسبِ گرامی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	49
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آبا وَ اجداد	50
حضرت ابراہیم علیہ السلام	50
حضرت اسماعیل علیہ السلام	58
حضرت فہر قریش	62
حضرت قُصی	63
حضرت عبد مناف	63
حضرت ہاشم	64
حضرت عبدُ المُطلب شَیبۃُ الحمد علیہ السلام	66
حارث بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	71
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	71
حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	71
زبیر بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	73
ابولہب بن عبد المطلب (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	73
حضرت ابُوطالب بن عبد المطلب علیہ السلام (عمّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	73
حضرت علی علیہ السلام (برادرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)	76
عمّاتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	79

حضرت عبداللہ علیہ السلام (والد گرامی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	81
سیّدہ آمنہ علیہا السلام (والدہ ماجدہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	83
طلوعِ سحر (ولادتِ باسعادت سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ۵۲ قبل ہجرت، ۵۷۱ء	84
سطیح کاہن کی خبر	91
یہودی عالم یوسف کی خبر	93
شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر	94
اَسمائے گرامی جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	97
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثنا	100
رضاعتِ نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	101
روایتِ شق الصدر	103
روایتِ شق الصدر کا تنقیدی جائزہ	104
وفاتِ حضرت سیّدہ آمنہ علیہا السلام (۴۷ قبل ہجرت/ ۵۷۷ء)	111
کم سنی میں ہی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی رحلت کا فلسفہ	111
کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	112
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی نامزدگی	114
حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام (۴۰ قبل ہجرت/ ۵۸۲ء)	115
سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی	117
عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل ولات وعزیٰ وغیرہ	125
شِرک وبُت پرستی اور فسق وفجور سے سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفرت	126
حَربِ فُجار (۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء)	127
حَربِ فجار میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوطالب شریک نہیں تھے	128
حِلفُ الفضول (۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء)	129
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیڑ بکریاں چَرانا	130
مکّہ مکرّمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش	132
حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام	133

حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہاالسلام کے ساتھ تجارتی شراکت	135
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طلیق کی گفتگو	138
ابوالمویہب راہب کی خبر	140
حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہاالسلام سے عقد (۲۷ قبل ہجرت/ستمبر ۵۹۵ء)	142
حضرت خدیجہ علیہاالسلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی	144
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید	146
ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	151
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار	157
اولادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	161
حضرت قاسمؓ کی ولادت (۲۵ قبل ہجرت/ ۵۹۸ء)	163
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت (۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل/ ۶۰۰ء)	164
خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تدبُّر اور انصاف (۱۸ قبل ہجرت/ ۶۰۵ء)	168
غارِ حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادت گذاری	169
پہلی وحی اور آغازِ بعثت (۱۲ قبل ہجرت/ ۶۱۰ء)	171
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لقب ''اُمّی'' کی وضاحت	175
ہواتف، جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی گواہی	178
عجوہ کھجور	187
دعوتِ ذوالعشیرہ (سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت/ ۶۱۴ء)	188
قریش کا ظلم وستم	193
ہجرتِ حبشہ (رجب ۷ قبل ہجرت/ اپریل ۶۱۵ء)	195
دارالارقم (سنہ ۶ بعثت)	201
معاشرتی مقاطعہ (محرم ۷ قبل ہجرت/ستمبر ۶۱۵ء)	202
رُومیوں کی شکست کی پیش گوئی (سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)	208
معجزۂ شق القمر (سنہ ۹ بعثت)	209
معجزۂ شق القمر اور ہندو مہاراجے	212

مہاراجہ کیرالہ مالا بار	212
مہاراجہ مالی بارسامری	215
ریاست کھابڑی کے راجا کنور سین اور وزیر رتن سین	216
ریاست دھار کے راجا بھوج	223
ریاست بھوپال کے راجا بھوجپال	223
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ سُنّت کی نظر میں)	225
معراجُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اہلِ تشیُّع کی نظر میں)	234
معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟	237
بُراق	239
واقعہ معراج پر اہلِ مکّہ کا ردِّ عمل	240
معراج کا سفرنامہ	243
شجرۂ طوبیٰ	251
سِدرۃُ المنتہیٰ	254
نمازوں میں تخفیف کی درخواست	255
مقصدِ معراج	256
کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟	264
امکانِ معراج	267
قرآن کی گواہی	269
واقعۂ معراج پر چند اور دلائل	271
معراج اور صلوٰۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	274
درودِ ابراہیمی	277
ولادتِ حضرت فاطمۃُ الزہراء علیہا السلام (۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل/ ۶۱۴ء)	278
حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)	280
حضرت ابوطالبؑ کے بعد قریش کی دست درازیاں	286
اُمّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت/ ۶۱۹ء)	286

حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکر (رضی اللہ عنہما) سے عقد (۳ قبل ہجرت)	287
طائف (سنہ ۱۰ بعثت، ۲۷ شوال ۳ قبل ہجرت/فروری، مارچ ۶۱۹ء)	288
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جنّات کی حاضری	293
قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام (سنہ ۱۱ بعثت)	296
بیعتِ عقبہ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت/۶۲۱ء)	297
بیعتِ عقبہ ثانیہ (سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت/ جون ۶۲۲ء)	299
ہجرتِ مدینہ (۱۴ بعثت/ ۶۲۲ء)	301
حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر	301
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ ثور میں	305
خیمۂ اُمّ معبد عاتکہ میں روشنی	307
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حُلیہ مبارک	309

حصّہ دوم
(مدنی دَور)

اسلام میں سنہ ہجری کا اجرا	319
سنہ ایک ہجری	320
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبا میں تشریف آوری (۸ ربیع الاوّل ۱ ہجری/ ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء)	320
مسجدِ قبا (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	324
قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	325
پہلی نماز جمعہ (۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری)	327
پہلی نماز جمعہ کا خطبہ (۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ ہجری)	328
نمازِ جمعہ کا باقاعدہ آغاز	330
مدینہ منوّرہ	330
مسجدِ نبوی کی تعمیر (ربیع الاوّل ۱ ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء)	333

نماز کی رکعتوں کا تعیّن (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	337
اذان و اقامت (ربیع الاوّل ۱ ہجری/ اکتوبر ۶۲۲ء)	339
ہمدردوں کی وفات (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	340
بنونجار کے نئے قائد (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	341
مہاجرین کی آبادکاری (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	342
مواخات (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	342
زراعت و تجارت	345
میثاقِ مدینہ (دُنیا کا پہلا تحریری دستور)	346
میثاقِ مدینہ کا متن (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	348
میثاقِ مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	355
رینالڈ ایلین نکولسن	355
جولیس ویل ہاسن	356
سر تھامس واکر آرنلڈ	358
لیفٹینٹ جنرل سر جان بیگٹ گلب پاشا	359
روبن لیوی	359
جوزف ہیل	360
فرانسسکو جبریلی	361
ویلیم منٹگمری واٹ	362
ہیو این کینیڈی	363
ایڈورڈ گِبن	365
ماؤرس گاڈ فرائے ڈی مامبائنز	365
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	366
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	370
زکوٰۃ کا حکم (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)	371
دفاعی منصوبہ بندی (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)	371

جہاد (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء) 374

غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف 375

سریہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ/ سریہ سیف البحری/ سریہ عیص (رمضان ۱ ہجری) 378

قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید 379

سریہ رابغ یا سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء) 381

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی (شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء) 382

سریہ خرّار یا سریہ سعد بن ابی وقاص (ذیقعدہ ۱ ہجری/ مئی ۶۲۳ء) 382

سنہ ۲ ہجری 383

غزوۂ ودّان اور غزوۂ ابو (ماہِ صفر ۲ ہجری/ اگست ۶۲۳ء) 383

غزوۂ بواط (ربیع الاوّل یا ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء) 384

غزوۂ سفوان/ غزوۂ بدر اُولیٰ (ربیع الثانی ۲ ہجری/ اکتوبر ۶۲۳ء) 385

غزوۂ عُشیرہ (جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۲ ہجری/ نومبر، دسمبر ۶۲۳ء) 386

حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ 386

سریہ دارِ ارقم (سنہ ۲ ہجری) 388

عَلم 388

سب سے پہلا عَلم 389

سریہ عبداللہ بن جحش یا سریہ نخلہ (رجب ۲ ہجری/ جنوری ۶۲۴ء) 389

تحویل خانہ کعبہ (شعبان سنہ ۲ ہجری/ جنوری، فروری ۶۲۴ء) 392

روزہ (شعبان دو ہجری/ فروری ۶۲۴ء) 393

غزوۂ بدر (۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک/ ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء) 394

غزوۂ بدر کا پس منظر 394

قافلہ 395

خواب 397

لشکرِ کفّار کی جنگ کے لیے روانگی 399

لشکرِ کفّار کی تعداد 401

لشکرِ کفّار کا سامانِ حرب	401
جبرائیل علیہ السلام کی اطلاع اور مجلسِ مشاورت	401
لشکرِ اسلام کی روانگی	404
اسلامی لشکر کی تعداد	405
لشکرِ اسلام کے عَلم اور علمبردار	405
اسلامی لشکر کا سامانِ حرب	406
اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاؤ	406
عریش	409
حق و باطل کا ٹکراؤ	410
جنگ میں ملائکہ کی مدد	415
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت	418
علی علیہ السلام کے ہاتھوں تہِ تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام	419
دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام	420
ابوجہل بن ہشام کا انجام	421
اُمیّہ بن خلف کا انجام	423
عقبہ بن ابی معیط کا انجام	423
ابوالبختری بن ہشام کا قتل	424
ابولہب کا انجام	425
شہدائے بدر کے اسمائے گرامی	427
بدر سے واپسی	429
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجام حضرت ابوہند انصاری رضی اللہ عنہ	430
اسیرانِ بدر	430
اسیرانِ بدر کی رہائی	432
سریۂ عمیر بن عدی (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)	434
غزوۂ قرقرۃ الکدریٰ یا غزوۃ الکدر (۲۵ رمضان ۲ ہجری/ ۲۰، ۲۱ مارچ ۶۲۴ء)	435

عید الفطر اور صدقہ فطر (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۴ء)	436
سریہ سالم بن عمیر (۲ ہجری/ ۶۲۴ء)	437
غزوۂ قینقاع (۱۵ شوال ۲ ہجری/ ۱۰ اپریل ۶۲۴ء)	437
سیّدۂ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کا نکاح (یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری)	441
حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت	445
خاتونِ جنّت علیہا السلام کا حق مہر	448
سیّدۂ کونین علیہا السلام کی رُخصتی	449
اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا رَجز	450
اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کا رَجز	450
اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کا رَجز	451
ملکہ کونین سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کا جہیز	453
غزوہ سویق (۵ ذوالحجہ ۲ ہجری/ ۲۹ مئی ۶۲۴ء)	456
شاعر اُمیّہ بن صلت کی موت	458
سنہ ۳ ہجری	459
نماز عید قربان اور قربانی (۱۰ ذی الحج ۲ ہجری/ ۳ جون ۶۲۴ء)	459
غزوۂ ذی امر/ غزوۂ بنی ام/ غزوہ انمار/ غزوۂ غطفان (ربیع الاوّل ۳ ہجری)	459
سریہ محمد بن مسلمہؓ (۱۴ ربیع الاوّل ۳ ہجری/ ۴ ستمبر ۶۲۴ء)	462
آیت اللہ سیّد رُوح اللہ خمینی کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن	466
غزوۂ نجران یا غزوۂ بنو سلیم (ربیع الآخر ۳ ہجری/ ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)	467
حضرت حفصہؓ سے نکاح (شعبان ۳ ہجری/ فروری ۶۲۵ء)	468
ولادت امام حسن علیہ السلام (۱۵ رمضان ۳ ہجری، ۲۸ فروری ۶۲۵ء)	468
غزوۂ اُحد (۶ شوال ۳ ہجری/ ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)	470
اُحد کی وجہ تسمیہ	470
غزوۂ اُحد کا پس منظر	470
لشکرِ کفّار	474

مسلمانوں میں اختلاف رائے	476
لشکرِ اسلام	477
روانگی	478
منافقین کی غداری	478
عینین کا درّہ	479
آغازِ جنگ اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت	480
ابتدائی فتح	484
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	485
مالِ غنیمت کا لالچ اور درّہ عینین والوں کی غلطی	487
شیر خدا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی استقامت	491
انجام	494
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہاد	497
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کی تلواریں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد	500
واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت	501
جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات	503
جاں نثارانِ اُحد کا مختصر تذکرہ	503
حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام	503
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ	503
حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر	504
حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ عنہ	506
حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	508
رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سمُرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	509
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	510
حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	511
حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ	511

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ	512
حضرت اُمّ عمارہ انصاریہؓ	514
یہودی مخریق کی جاں نثاری	514
حضرت عمرو بن ثابتؓ	515
شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین	516
شہدائے اُحد کا ماتم	516
حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح	517
غزوۂ حمراالاسد (ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری / ۱۱ اپریل ۶۲۵ء)	517
سنہ ۴ ہجری	519
سریہ ابو سلمہؓ مخزومی (یکم محرم ۴ ہجری / ۱۳ جون ۶۲۵ء)	519
سریہ عبداللہ بن انیسؓ (۵ محرم ۴ ہجری / ۱۷ جون ۶۲۵ء)	519
رجیع کا المیہ (صفر ۴ ہجری / جولائی، اگست ۶۲۵ء)	520
المیہ بئرِ معونہ / سریہ منذر بن عمرو / سریۃ القریٰ (صفر ۴ ہجری / جولائی اگست ۶۲۵ء)	524
غزوۂ بنی نُضیر (ربیع الاوّل ۴ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۵ء)	526
غزوہ ذات الرقاع (جمادی الاوّل ۴ ہجری / اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)	529
ولادتِ امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)	531
رضاعتِ امام حسین علیہ السلام	533
شہزادوں کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود رکھے	533
شہزادوں کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے	533
حسنین علیہم السلام کے نام اہلِ جنّت کے نام ہیں	534
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حسنین علیہم السلام میرے بیٹے ہیں	534
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں ہی ان کا نسب ہوں	534
نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت	535
حسنین علیہم السلام وارثانِ اوصافِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں	536
حسنین علیہم السلام تمام جنّتی جوانوں کے سردار ہیں	536

حسنین علیہم السلام سے محبت کرنا واجب ہے	537
حسنین علیہم السلام سے بغض رکھنے والا مبغوض ہے	537
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسنین علیہم السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری	537
حسنین علیہم السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر	537
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طوالتِ سجدہ	538
کیا اچھے سوار ہیں	538
حُرمتِ شراب (۴ ہجری)	539
حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح (شوال ۴ ہجری/ مارچ ۶۲۶ء)	543
غزوۂ بدر الموعد یا بدر الاُخریٰ (ذیقعد ۴ ہجری/ اپریل ۶۲۶ء)	543
وفات حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام (۴ یا ۵ ہجری/ سنہ ۶۲۶ء)	544
سنہ ۵ ہجری	545
غزوۂ دومۃ الجندل (۲۵ ربیع الاوّل ۵ ہجری/ ۲۴ اگست ۶۲۶ء)	545
غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۵ ہجری/ ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)	546
حضرت جویریہؓ سے نکاح	547
حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح	548
غزوۂ احزاب یا جنگ خندق (ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)	551
دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی	552
لشکرِ کفّار کی تعداد	553
لشکرِ اسلام کی تعداد	553
خندق	553
خندق کی حدود	555
لشکرِ کفّار کی آمد	555
بنو قریظہ کی بغاوت	556
بنو قریظہ کی بغاوت کا سدِ باب	559
مقابلہ	560

عمرو بن عبدِ ود العامری	562
شیر خدا کی جنگ	564
عمرو بن عبدِ ود کے ساتھی	572
علی علیہ السلام کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل	573
مشرکین کی خفت	573
اختتامِ جنگ	575
کفّار کا فرار	577
غزوۂ بنو قریظہ (ذیقعد ۵ ہجری/ مارچ ۶۲۷ء)	578
حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی نامزدگی کی وجہ	582
بنو قریظہ کا انجام	585
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت	588
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی پشیمانی	589
حجاب کا حکم (یکم ذیقعد ۵ ہجری/ ۲۴ مارچ ۶۲۷ء)	592
سنہ ۶ ہجری	596
سریۂ محمد بن مسلمہؓ یا سریۂ نجد (۱۰ محرّم ۶ ہجری/ یکم جون ۶۲۷ء)	596
غزوۂ بنو لحیان (یکم ربیع الاوّل ۶ ہجری/ ۲۱ جولائی ۶۲۷ء)	596
غزوہ ذی قرد یا غزوۂ غابہ (ربیع الاوّل ۶ ہجری)	597
سریۂ غمر یا سریۂ عکاشہ بن محصنؓ (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)	598
سریۂ ذی القصہ یا سریۂ بنو ثعلبہ (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)	598
سریۂ جموم (ربیع الآخر ۶ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۷ء)	598
سریۂ وادی القریٰ (رجب ۶ ہجری/ نومبر دسمبر ۶۲۷ء)	599
سریۂ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریۂ فدک (شعبان ۶ ہجری/ جنوری ۶۲۸ء)	599
حدیبیہ کا معرکہ (یکم ذیقعد ۶ ہجری/ ۱۲ مارچ ۶۲۸ء)	600
بیعت رضوان	606
صلح نامہ حدیبیہ کے نکات	612

معاہدہ حدیبیہ پر تبصرہ	613
حضرت اُمّ حبیبہؓ سے نکاح (ذی الحجہ ۶ ہجری/اپریل مئی ۶۲۸ء)	614
سنہ ۷ ہجری	615
مکتوبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یکم محرم ۷ ہجری/ ۶۲۸ء)	615
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام ہرقل، قیصر روم	618
ہرقل، قیصر روم کا خط	620
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہِ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز	621
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہ حبش اصحم نجاشی	622
شاہِ حبش نجاشی کا خط	624
شاہِ حبش نجاشی کا دوسرا خط	625
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام والی مصر مُقَوقِس	625
حاکم مصر مُقَوقِس کا خط	627
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام شاہِ یمامہ ہوذہ	627
شاہِ یمامہ ہوذہ کا خط	628
مکتوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی	629
خیبر (محرم ۷ ہجری/مئی جون ۶۲۸ء)	630
جنگِ خیبر کا پس منظر	631
لشکرِ اسلام کی روانگی	632
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیر خدا علیہ السلام کی علالت	634
مسلمانوں کی خیبر فتح کرنے کی کوششِ ناکام	634
فاتح خیبر کا انتخاب اور عطائے علم	635
جناب امیر علیہ السلام کا اندازِ ورود	639
شجاعتِ علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی	640
شیرِ خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ	640
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیبر کے یہودیوں پر کرم	644

حضرت صفیہؓ	644
مرحب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں	645
یہود کی سازش	648
آفتابِ امامت کے لیے آفتابِ فلک کی واپسی	649
فدک	650
وادی القریٰ	654
مہاجرین حبشہ کی واپسی	654
پہلا ورود مکّہ، عمرۃ القضاء (ذی القعدہ ۷ ہجری/ مارچ ۶۲۹ء)	655
سنہ ۸ ہجری	656
منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	656
ریاض الجنۃ	658
سریۂ موتہ (جمادی الاوّل ۸ ہجری/ اگست ستمبر ۶۲۹ء)	658
جنگ یا پسپائی؟	661
جنگ	662
شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال	664

حصّہ سوم
(تکمیل دین)

فتح مکّہ (۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری/ یکم جنوری ۶۳۰ء)	667
عہد شکنی	667
تنسیخ معاہدہ اور پھر پچھتاوا	668
سفیرِ قریش کی کوشش ناکام	669
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رازداری اور مسلمانوں کی غداری	669
مدینہ منوّرہ سے روانگی	671

سفر میں روزے کی عزیمت	672
مکّہ کے نواح میں پڑاؤ	672
ابوسفیان کی گرفتاری	672
اسلامی جاہ وجلال کی ہیبت	674
حضرت سعد بن عبادہ کی سہو وخطا	677
مکّہ میں ہلچل	678
مکّہ کی طرف پیش قدمی	679
عام معافی کا اعلان	682
بت شکنی اور تطہیر کعبہ	685
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان	688
مکّہ میں مختصر قیام	688
غزوۂ حنین (شوال ۸ ہجری/ جنوری فروری ۶۳۰ء)	689
جنگ اوطاس وطائف	695
انصار کا احساس محرومی اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطبۂ ایجاز و بلاغت	697
حضرت ابراہیم کی ولادت (شوال ۸ ہجری/ فروری ۶۳۰ء)	698
سنہ ۹ ہجری	699
غزوۂ تبوک، غزوۂ جیش العسرت، غزوۂ فاضحہ (رجب ۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)	699
علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑنے کی وجہ	701
اصحابِ عقبہ	704
ہٰذا طیبہ	706
راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کی موت	706
مسجد ضرار کی تخریب کاری (۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)	707
خانہ کعبہ میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی، ایک تاریخی اعلان	710
فتوحاتِ اسلامی کے بیرونی قبائل پر اثرات	712
حاتم طائی کے بچّوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاص اکرام	712

مباہلہ	713
آیت تطہیر اور حدیث کساء	718
اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	721
مفہوم اہل بیت (علیہم السلام)، اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی درخواست کی روشنی میں	722
اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا	731
سنہ ۱۰ ہجری، حضرت ابراہیمؑ کا انتقال	732
فتح یمن (رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری)	732
حجۃ الوداع (ذیقعد ۱۰ ہجری)	735
حج تمتع کا حکم	739
غدیر خم (۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری)	740
علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل تشیع کی نظر میں	740
علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل سنت کی نظر میں	744
غدیر خم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تاکید	750
سنہ ۱۱ ہجری	751
مدینہ کی طرف واپسی اور سریہ اسامہ بن زید حارثہ (۲۶ صفر ۱۱ ہجری)	751
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علالت اور آخری ایامِ حیات	753
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متوجہ بہ جنّت البقیع	753
حضرت علی علیہ السلام کو وصال سے متعلق وصیّت	753
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطبہ	754
واقعہ قصاص	755
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں	758
حدیثِ قرطاس	759
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری خطبہ	761
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وصیّت برائے غسل، کفن ودفن	761
بیٹی اور بھائی سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گفتگو	763

لختِ جگر سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری راز و نیاز	765
ہزار ہا ابوابِ علم	767
سپردگی میراث	769
جبرائیل علیہ السلام کی عیادت	771
ملکُ الموت کا اجازت طلب کرنا	772
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رِحلت	775
سببِ رِحلت	777
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل	777
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن	779
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ	779
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن	780
شبِ وصالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام	783
مصحفِ حضرت فاطمہ علیہا السلام	785
اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ	786
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حُسن سلوک	787
گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل	788
گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل	789
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو	790
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دخول وخروج اور نشست عام	792
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل ومجالس	792
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت	793
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم ودرگذر	795
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچّوں پر شفقت	797
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات واطوار	800
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ خاص عادات	801

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاموشی	801
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تبسم	802
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مزاح	803
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طعام	805
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پسندیدہ مشروب	806
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لباس	806
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسلحہ وغیرہ	807
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیگر اشیائے مصرف	810
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر	810
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سرمایہ	811
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز اور روزہ	813
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حج اور عمرے	813
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبولیتِ دُعا	814
مختصاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	816
معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	823
اوصافِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیگر آسمانی کتب میں	847
شاہِ یمن تبع حمیری	851
اللہ تعالیٰ کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لینا	854
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاظر و ناظر	855
نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	860
دُعا	861
مآخذ	862

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

ہدیہ

میں اس کتاب کو

نہایت عجز وانکسار اور عقیدت واحترام کے ساتھ

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ رحمت میں

ہدیہ کرتا ہوں۔

انتساب

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عظیم المرتبت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام

مُقدّمہ

درود وسلام اور فضائلِ درود پر لکھی گئی اپنی پہلی تالیف ''صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً'' کی تکمیل کے بعد میری شدید خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ پر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کروں۔ میری خوش بختی ہے کہ آج سے یہ سعادت میری زندگی کا حصّہ بننے جارہی ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ پر لکھی گئی کئی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ پہلے بھی، زندگی کے مختلف ادوار میں اور خصوصاً کتابِ ہٰذا کی تالیف کے دوران میں بھی۔ سیرتِ نبی ﷺ ایک موضوعِ بیکراں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حیاتِ پاک کے ہزار ہا پہلو ہیں، ہر پہلو دوسرے سے الگ اور اپنی جگہ حُسن وکمال کا ایک مکمل پیکر ہے۔ شاید یہی وجہ رہی ہو کہ کچھ اصحاب نے محبت وعقیدت میں سرشار ہو کر لکھتے ہُوئے اپنی کتب کو ایسا رنگ دے دیا کہ اُن کی کتابیں سیرۃ النبی ﷺ کی کتب کی بجائے کوئی ادبی شاہکار معلوم ہوتی ہیں جن میں جابجا رنگین الفاظ، تشبیہات اور استعارے نظر آتے ہیں۔ اور بعض کتابیں تو یوں لگتی ہیں جیسے احادیث وروایات کا مجموعہ ہوں۔ میں نے اِن دونوں طریقہ ہائے اظہار سے گریز کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیدھے سادھے اور سادہ پیرائے میں حضور ﷺ کی حیاتِ طیّبہ بیان ہو۔

سیرۃُ النبی ﷺ پر لکھی گئی اکثر کتب میں بعض ایسی مشہور ومعروف روایات بھی پائی جاتی ہیں جو حضور ﷺ کی شان وعظمت کے منافی ہیں۔ ممکن ہے اُن روایات کو اپنی کتابوں میں شامل کرنے والوں نے اُن میں کوئی نہ کوئی پہلو ایسا تلاش کرلیا ہو جو اُن کے حساب سے حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کے زُمرے میں آتا ہو لیکن میرے نقطۂ نظر سے اُن روایات کا مجموعی تاثر عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے منافی جاتا ہے، اس لیے میں نے اُن کو کتابِ ہٰذا میں شامل ہی نہیں کیا اور اگر کسی کو شامل کیا ہے تو اُس پر اپنا استدلال پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

علاوہ ازیں ایسی کتب کی تعداد بھی کم نہیں جن میں تاریخ کو مسخ کر کے خودساختہ روایات شامل کی گئیں ہیں جو سراسر توہینِ رسالت کے زُمرے میں آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ توہینِ رسالت پر مبنی کتابیں اور فلمیں تیار کرنے والے ملعونوں نے ایسی کتب سے بھی مواد حاصل کر کے یکجا کیا ہے۔ ایسی

ناپاک سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تاریخ کو دُرست کیا جائے اور نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے حقیقی پہلو دُنیا کے سامنے لائے جائیں۔ اِس کے لیے علما کرام کو چاہیے کہ مِل بیٹھ کر ایسی کتب سے تمام غیر حقیقی اور خودساختہ مواد خارج کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، تاریخِ اسلام اور احادیثِ مبارکہ کی ایسی کتب ترتیب دیں جو حقائق پر مبنی ہوں اور ہر سُقم سے پاک ہوں۔ ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' مجھ جیسے طالب علم کی طرف سے ایسی ہی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔

سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں ضروری ہے کہ لفظ ''سیرت'' کی وضاحت ہو جائے کیونکہ اِس کے بغیر ''سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی توضیح نہیں کی جا سکتی۔ لفظ ''سِیْرَۃ'' عربی لغت میں ''سَیْر'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ ''سَیْر'' یعنی حرکت کرنا اور چلنا وغیرہ اور ''سِیْرَۃ'' یعنی حرکت کرنے اور چلنے کا انداز۔ ''سِیْرَۃ'' وزن پر ہے ''فِعْلَۃ'' کے اور عربی زبان میں ''فِعْلَۃ'' دلالت کرتا ہے نوعیت پر۔ مثلاً ''جَلْسَۃ'' یعنی بیٹھنا اور ''جِلْسَۃ'' یعنی بیٹھنے کا انداز۔ اسی طرح ''سَیْر'' کا مفہوم ہے چلنا اور ''سِیْرَۃ'' کا مطلب ہے چلنے کا انداز۔ پس سِیرۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل ہے نہ کہ عمل اور جن لوگوں نے سیرت کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں اُن میں سے اکثر نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو تحریر کیا ہے نہ کہ عمل کے انداز کو، لہٰذا وہ کتابیں ''سَیْر'' کے زمرے میں آئیں گی نہ کہ ''سِیْرَۃ'' کے۔ یہ ایک گہرا نکتہ ہے۔ میں نے زیرِ نظر کتاب ''بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ''سَیْر'' اور ''سِیْرَۃ'' یعنی عمل اور طرزِ عمل، دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب ایسی عظیم ہستی کا ذِکر ہو تو ظاہر ہے کہ تاریخ اور احادیث کی مستند کتب ہی سے روایات و واقعات لیے جاتے ہیں، آپ زیادہ سے زیادہ اِن روایات کو سلیس زبان میں بیان کر سکتے ہیں یا بعض اوقات موضوع کے اعتبار سے مختصر کر سکتے ہیں۔ میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن کچھ مقامات پر محض اِس وجہ سے کہ کہیں روایت میں تحریف کا گمان نہ گزرے، میں نے حوالہ کی کتاب سے پورے کا پورا واقعہ بعینہٖ درج کیا ہے۔ بعض واقعات ایک ہی باب میں دو یا دو سے زیادہ بار بیان ہُوئے ہیں، اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ مختلف روایات میں اُن کا ذِکر بھی الگ انداز میں آیا ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ قاری کو مختلف روایات سے آگہی حاصل ہو جائے تا کہ کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل نہ رہے۔

کتابِ ہذا میں چند روایات ایسی بھی ہیں جو عیسائی یا یہودی راہبوں اور کفّار وغیرہ کے بیانات پر مبنی ہیں۔ اُنھوں نے اپنی گفتگو میں حضور ﷺ کے لیے ''تم، تمھارا، اُس، اُس کا اور اُسے'' وغیرہ جیسے الفاظ یعنی صیغہ واحد استعمال کیا تھا، روایات میں عموماً الفاظ وفقرات بعینہٖ لکھے جاتے ہیں لیکن میں نے یہاں ایسے تمام الفاظ کو احتراماً ''آپ، آپ کا، اُنھیں اور اُن کا'' جیسے الفاظ یعنی جمع کے صیغے سے تبدیل کر دیا ہے اور بریکٹ میں ''ﷺ'' کے الفاظ شامل کیے ہیں جو کہ اُن لوگوں کی زبان سے فطری معلوم نہیں ہوتے لیکن ہمارے اہلِ علم و دانش قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری زبان اور قلم سے حضور ﷺ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال ہونا اور اسمِ گرامی بغیر صلوٰۃ کے ادا ہونا ہماری فطرت کے خلاف ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ''دینِ واحد'' کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ مختلف مسالک اور فرقے اور پھر اِن فرقوں کے اندر مزید گروہ بن گئے ہیں۔ میں ہمیشہ سے اتحادِ بین المسلمین کا خواہاں رہا ہوں اِس لیے میں نے اپنی اِس تالیف میں کسی ایک مسلک کی روایات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے معروف مسالک کی کتب سے روایات کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔

میں، علامہ اظہر حسین بہشتی اور علامہ سیّد مزمل نقوی کا بے حد ممنون ہوں جن کی راہنمائی کتابِ ہذا کی تالیف کے دوران میں میرا حوصلہ بڑھاتی رہی اور میرے رخشِ قلم کو مہمیز کرتی رہی۔ انھوں نے نہایت باریک بینی سے کتاب کا مطالعہ کر کے اس میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی اور اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی صحت و زندگی میں برکت فرمائے۔ آمین۔

سیّد حماد رضا بخاری
فیصل آباد۔ پاکستان
۰۸ جنوری ۲۰۱۴ء
فون: +92 300 9655650
ای میل: hrbukhari@hotmail.com

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ

(حیاتِ طیّبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

حصّہ سوم

(تکمیلِ دین)

(سنہ ۸ ہجری تا وصالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

سیّد حماد رضا بخاری

فتحِ مکّہ

(۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری/ یکم جنوری ۶۳۰ء)

عہد شکنی

عرب کے دو قبیلے بنی بکر اور بنی خزاعہ عرصہ دراز سے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے اور دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتے تھے اس لیے ہمیشہ مسلح رہا کرتے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد بنی بکر مشرکینِ مکّہ یعنی قریش کے حلیف بن گئے اور بنی خزاعہ نے مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ حدیبیہ کے معاہدے میں یہ دو نِکات بھی شامل تھے کہ جو چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوکر معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہوجائے یعنی مسلمانوں کا حلیف بن جائے اور جو چاہے قریش کے ساتھ ہوکر معاہدے اور ذمہ داری میں شامل ہوجائے یعنی اُن کا ساتھی بن جائے اور دونوں فریقین کے درمیان دس سال تک جنگ بندی رہے گی اور اس دوران میں دونوں اطراف کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل نہیں آئیں گے اور امن سے رہیں گے۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس معاہدے سے مطمئن ہوکر ہتھیار اُتار دیے تھے۔ ایک سال پرامن طریقے سے گزر گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلمانوں کے ساتھ عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے لیے مکّہ تشریف لے گئے، اُس موقع پر اہلِ مکّہ نے تین دن کے لیے شہر خالی کردیا تھا، کوئی شر فساد نہ ہُوا اور مسلمان اطمینان سے عمرہ ادا کرکے واپس آگئے تھے چنانچہ بنوخزاعہ کا اعتماد اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ بنوبکر کی طرف سے بالکل لاپرواہ اور غافل ہوگئے لیکن دوسری طرف بنوبکر موقع کی تلاش میں تھے۔ اُنھوں نے ۸ ہجری میں موتہ کے بعد دو مہینے (جمادی الثانی اور رجب) گذرتے ہی بنوخزاعہ پر اُس وقت حملہ کرکے قتلِ عام شروع کردیا جب وہ مکّہ کے زیریں علاقے میں واقع اپنے ایک چشمہ آب پر مقیم تھے۔[1] اُس حملے میں بنو

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۲۹۶

خزاعہ کے چند لوگوں نے جان بچانے کے لیے بھاگ کر حرم کعبہ میں پناہ لی لیکن حملہ آور وہاں بھی پہنچ گئے اور لوگوں کی نصیحت کے باوجود حرم کعبہ کی حرمت کو برباد کرتے ہوئے خونریزی کی اور بنوخزاعہ کے ایک شخص منبہ کو قتل کر دیا۔[1] باقی لوگوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ بچ جانے والوں میں سے کچھ لوگ عمرو بن سالم کی قیادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کی کہ قریش نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وعدہ خلافی کرتے ہوئے خونریزی کی جب کہ ہم رکوع وسجود میں مصروف تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی فریاد سُن کر سخت صدمہ پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے چین ہو گئے اور فرمایا، ''بس اے عمرو! کافی ہے۔''[2] اور بروایتے یہ فرمایا، ''بس اے عمرو بن سالم! تمھاری مدد ہو گئی۔''[3] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اپنا سفیر قریش کی طرف روانہ کیا اور اُنھیں لکھا کہ میری تین شرائط میں سے کسی ایک کو منظور کر لو:[4] بنی خزاعہ کے مقتولین کا قصاص دو یا بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ یا اعلان کر دو کہ معاہدہ حدیبیہ توڑ دیا گیا ہے۔

تنسیخ معاہدہ اور پھر پچھتاوا

قریش نے طاقت ونخوت کے نشے میں تیسری شرط مان لی اور اُن کے ترجمان قمرط بن عمر نے تنسیخ معاہدہ کا اعلان بھی کر دیا۔ لیکن بعد میں جب طاقت وغرور کا نشہ اُترا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت واپس آئی تو خطرناک نتائج کے احساس سے پچھتاوے میں مبتلا ہو گئے اور ابوسفیان کو تجدیدِ معاہدہ کرنے کے لیے اپنا نمائندہ مقرر کر کے بارگاہِ رسالت میں روانہ کیا۔[5]

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۲۲ بحوالہ:
الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ھ)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر، ص ۲۲۴

[2] طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۱۲

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۲۹۸

[4] خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۶۵

[5] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۶۰۹
خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، ج ۱ ص ۱۶۵

سفیرِ قریش کی کوشش ناکام

گزشتہ صفحات پر ذِکر کیا جاچکا ہے کہ ابوسفیان کی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہؓ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عقد میں تھیں۔ ابوسفیان کا خیال تھا کہ اس موقع پر بیٹی مددگار ثابت ہوسکتی ہے چنانچہ وہ سیدھا اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے ہاں گیا لیکن وہاں معاملہ اُس کی سوچ کے برعکس نکلا۔ ابوسفیان نے اُن کے گھر پہنچ کر جو بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت اُمّ حبیبہؓ نے بڑھ کر بستر سمیٹ لیا اور کہا، ’’یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر مبارک ہے اور آپ مشرک ہونے کی وجہ سے نجس ہیں اس لیے اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔‘‘[1] بیٹی کے اس رویے کے بعد اُس سے تعاون کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی تھی چنانچہ وہاں سے مایوس ہوکر وہ مہاجرین کے پاس گیا اور صلۂ رحمی کا واسطہ دے کر ہاتھ پاؤں مارے لیکن کوئی فائدہ نہ ہُوا اور بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رازداری اور مسلمانوں کی غداری

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنوخزاعہ کے وفد کی فریاد سننے کے بعد وفد کے سردار عمرو بن سالم سے فرمایا تھا کہ اے عمرو بن سالم! تمھاری مدد ہوگئی۔ چنانچہ قریش کی عہد شکنی اور بنوخزاعہ پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کا حساب لینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکّہ معظّمہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منصوبہ دشمن کے سر پر اچانک وارد ہونے کا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سلسلے میں نہایت رازدی سے کام لیا اور اصحابؓ کو بھی رازداری برتنے کی تلقین فرمائی۔ ایک شخص حاطب کو معلوم ہُوا تو اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے ابولہب کی لونڈی سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط روانہ کردیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تمام عسکری منصوبہ تفصیل

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۲۵ بحوالہ الدرر، ص ۲۲۵۔ ابوالفدا (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفدا ج ۱ ص ۱۴۳۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل، ص ۲۹۸
شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۳۳۹

کے ساتھ درج تھا۔ وہ لونڈی بہت ہوشیار تھی اس لیے عام راستے سے ہٹ کر مکّہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاطب بن طبقہ کی اُس غداری سے مطلع فرما دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اور بروایتے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زبیرؓ کو اور بقولے تینوں کو اُس خط کی برآمدگی کے لیے مامور فرمایا اور یہ لوگ اُس طرف روانہ ہوگئے جدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی تھی۔ [1]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ لوگوں کو مکّہ کی راہ میں پہرے پر بھی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ چالاک عورت اُن کو جُل دے کر نکل گئی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ برق رفتاری سے نکلے اور اُس کو راستے میں جالیا۔ جب اُس سے پوچھ گچھ کی گئی تو اُس نے صاف انکار کردیا حتیٰ کہ تلاشی لینے پر بھی اُس سے کوئی خط برآمد نہ ہُوا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا ایمان تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں اس عورت کے تعاقب میں روانہ فرمایا ہے تو خط ضرور اسی کے پاس ہے کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی فرمان معاذ اللہ غلط ثابت ہو، چنانچہ آپ کے تیور سخت ہوگئے اور آپ نے غضبناک انداز میں اُس کی طرف نگاہ کی تو اُس نے گھبرا کر اپنے جُوڑے میں سے خط نکالا اور پیش کردیا۔ [2]

عیار عورت کے بیان پر حاطب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اُس سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ واللہ اس نے نفاق اختیار کیا اور چاہا کہ اُس کی گردن ماردیں [3] لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روک دیا اور فرمایا، ''اسے مسجد سے نکال دو۔''

---

[1] محمد بن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ا ص ۱۳۴۔ ابوالفدا (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفدا، ج ا ص ۱۴۳۔ الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ ہجری)، الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۲۲۷

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۴۷ بحوالہ الدرر فی اختصار المغازی والسیر ص ۲۲۷

[3] ابوالفدا (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفدا، ج ا ص ۱۴۳

عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۳۴۰

چنانچہ پرجوش مسلمان اُسے دھکے دے کر مسجد سے نکالنے لگے تو اُس نے ملتجی نگاہوں سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''اسے واپس لے آؤ۔'' پھر اُس سے فرمایا،''تمھیں اس مرتبہ چھوڑ رہا ہوں لیکن آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔''[1]

مدینہ منوّرہ سے روانگی

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ ماہ رمضان کی دو تاریخیں گزری تھیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروز جمعہ نمازِ عصر پڑھنے کے بعد (مکّہ روانگی کے لیے) مدینہ سے باہر تشریف لائے۔[2] یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہارشنبہ (بروز بدھ) ۱۰ ماہ رمضان سنہ ۸ ہجری (بمطابق یکم جنوری ۶۳۰ء) کے دن مدینہ طیّبہ سے مکّہ مکرمہ کی طرف کوچ فرمایا۔[3] اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دس ہزار (۱۰۰۰۰) مسلمانوں کا لشکرِ عظیم تھا۔[4]

لشکر کی تفصیل''مدارج النبوّت'' میں یوں بیان کی گئی ہے کہ سات سو (۷۰۰) مہاجرین تھے جن میں تین سو (۳۰۰) گھڑسوار تھے، چار ہزار (۴۰۰۰) انصار تھے جن میں پانچ سو (۵۰۰) گھڑسوار تھے باقی دیگر مسلمان قبائل کے لوگ تھے۔ لشکر کی تعداد بعض مؤرخین نے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) بھی بیان کی ہے جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کئی لوگ دورانِ سفر میں شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کے دو ہزار (۲۰۰۰) افراد جن میں اکثر گھڑسوار تھے بعد میں آ کر شامل ہوئے تھے۔[5]

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۱۳

[2] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، طبع تہران ۱۳۳۸ ہجری، ص ۱۱۴

[3] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)، طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۱۳۵
عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنھایۃ)، ج ۳ ص ۲۸۵

[4] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۱۳۵

[5] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۳۴۱

سفر میں روزے کی عزیمت

سفر کی حالت میں روزے کی عزیمت یعنی رخصت کا حکم سنہ ۸ ہجری میں مدینہ منوّرہ سے مکّہ معظّمہ کی طرف اِسی سفر کے دوران میں ہُوا۔ طبرسی لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو روزے سے تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''کراع الغمیم'' کے مقام پر پہنچے تو روزہ افطار کر دیا اور حکم دیا کہ سب لوگ روزہ کھول دیں۔ کچھ لوگوں نے (حکم عدولی کرتے ہوئے) روزہ نہ کھولا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گنہگار ہیں۔[۱] اہل سنت کے مؤرخین ابن کثیر اور مشقی لکھتے ہیں، ''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''عسفان'' اور ''انج'' کے درمیان واقع مقام ''کدیہ'' پر پہنچے تو روزہ کھول دیا۔ آگے چل کر یہ مؤرخین بحوالہ ''صحیح مسلم'' لکھتے ہیں اور جب معلوم ہُوا کہ بعض لوگوں نے روزہ نہیں کھولا تو فرمایا کہ یہ لوگ گنہگار ہیں۔[۲]

مکّہ کے نواح میں پڑاؤ

قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش قدمی کی خبر ہوگئی تھی اور وہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار (۱۰۰۰۰) کے لشکرِ عظیم کے ساتھ مکّہ سے ایک منزل پہلے ''مرالظہران'' کے مقام پر پہنچ گئے اور فوج کو وہیں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔

ابوسفیان کی گرفتاری

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں، ''قریش کو اسلامی لشکر کی اطلاع ملی تو وہ حیران رہ گئے۔ وہ اس مفاجاتی حملے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے نہ فوجی لحاظ سے اور اس غیر متوقع صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اُن میں حوصلہ تھا نہ عزم وہمت۔ بہرحال، اُنھوں نے اسلامی لشکر کی تعداد،

---

[۱] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، طبع تہران ۱۳۳۸ ہجری، ص ۱۱۴

[۲] عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ)، ج ۲ ص ۲۸۶ تا ۲۸۷

منصوبے اور جنگی نوعیت کی معلومات حاصل کرنے کے لیے ابوسفیان، بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کو بھیجا۔ ابوسفیان پکڑا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تحریکِ اسلام کے بہترین مفاد کی خاطر اُسے معاف کر دیا۔ ابوسفیان نے اپنی رضا یا جان کے خوف سے اسلام کی صداقت کا اقرار کر لیا۔''[۱]

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے قریش کی صورت حال تو خوب بیان کی ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ بالکل نہیں آیا کہ وہ تحریک اسلام کے کون سے ''بہترین مفاد'' کی بات کر رہے ہیں جس کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوسفیان کو معاف کر دیا؟ جب کہ ہماری تحقیق اور ہمارے ایمان کے مطابق تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی کو کسی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ اپنی صفت رحمۃً للعالمینی کی وجہ سے معاف فرمایا۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:[۲] وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں، '' رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آنے کے بعد بھی ابوسفیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی گواہی دینے پر تیار نہیں تھا مگر جناب عباس رضی اللہ عنہ کے متنبہ کرنے پر کہ اگر گواہی نہ دی تو پھر جان کی خیر نہیں، مجبوراً حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔''[۳]

عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوّت میں اور ابوجعفر محمد بن جریر طبری تاریخِ طبری میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں ابوسفیان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں لے گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کو دیکھتے ہی فرمایا، ''ابوسفیان تمھیں کیا ہو گیا ہے جو تم اب بھی نہیں مانتے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے''۔ ابوسفیان نے کہا بے شک اب میں سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا خدا ہوتا تو وہ ضرور میرے کچھ کام آتا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''افسوس ہے تم پر اے ابوسفیان! کیا اب بھی یہ بات تم پر آشکارا نہیں ہوئی کہ میں اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہوں؟'' ابوسفیان نے کہا، ''میرے ماں باپ

---

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، ص ۶۰۹

[۲] سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

[۳] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۳۰ بحوالہ ابن اثیر، کامل، ج ۲ طبع بیروت، ۱۹۶۵ء ص ۲۴۵

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر نثار ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے بڑھ کر صلہ رحمی والا، حلیم، سخی اور شریف کوئی دوسرا نہیں ہوگا (جو باوجود میری طرف سے) اتنی ایذا وستم اُٹھانے کے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اتنا لطف وکرم فرماتے ہیں مگر اِس باب میں (رسالت میں) مجھے ابھی تردّد ہے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اب میں نے اُس سے کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ بہتر ہے کہ کلمہ شہادتِ حق کا اعلان کردو ورنہ تمھاری گردن ماردی جائے گی۔ پھر اُس نے کلمہ شہادت ادا کیا۔''[1] طبری لکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا تو ایک شعر پڑھا جس کا مطلب ہے، ''اور اللہ نے مجھے اُس شخص سے ملا دیا جسے میں نے ہر جگہ سے نکالا تھا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سے فرمایا، ''تُو نے مجھے ہر جگہ ستایا اور میری مخالفت میں کوئی جتن نہ چھوڑا۔''[2]

اسلامی جاہ وجلال کی ہیبت

ابوسفیان نے اُس رات وہیں لشکرِ اسلام میں قیام کیا۔ وہ قریش کا سردار تھا اور اب تک اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کی جانے والی تقریباً ہر کاروائی میں نہ صرف خود شامل رہا تھا بلکہ ایسی تمام کاروائیاں اُسی کے ایما پر ہی کی گئی تھیں چنانچہ اُسے ایک شب مسلمانوں کے ''کیمپ'' میں گزارنا پڑی تو فطری طور پر وہ اسلامی لشکر اور اُس کے انتظام وانصرام اور حالات کا جائزہ لینے لگا۔ اسلام کی قوت وعظمت دیکھ کر اُس پر خوف طاری ہو گیا۔ نمازِ فجر کے وقت اُس نے دیکھا کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وضو کیا تو مسلمان وضو کے بہتے ہوئے پانی پر ٹوٹ پڑے۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ اس متبرک پانی کا کوئی قطرہ اُس کے حصّے میں آجائے اور جسے یہ سعادت حاصل ہو جاتی تھی وہ تبرک کے طور پر اُسے اپنے چہرے پر مَل لیتا تھا۔ بروایتے یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان کے دِل پر دہشت چھا گئی اور اُس نے کہا، ''میں نے قیصر وکسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں مگر ایسا (شاہانہ) جاہ وجلال میری نظروں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''[3] رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز

---

[1] جریر طبری، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۳۰۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوّۃ، ج ۲ ص ۳۴۳

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۳۰۱

[3] عمادُ الدین ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ)، ج ۲ ص ۲۹۱

ادا کر چکے تو اُس نے رخصت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اجازت مرحمت فرمادی۔

ابوجعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوسفیان کے کلمہ شہادت پڑھ لینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم جاؤ اور اس کو اپنے ساتھ وادی کے دہانے پر پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ تا کہ یہ اللہ کی فوجوں کو جب وہ اس کے سامنے سے گزریں تو دیکھ لے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ شخص امتیاز کا شوقین ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از راہِ کرم کچھ ایسا فرما دیجئے کہ یہ اپنی قوم میں جا کر خود کو نمایاں کر سکے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اچھا! اُس کے لیے امان ہے جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا۔''[1] ابوسفیان نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا، ''میرے گھر میں؟'' فرمایا، ''ہاں تمھارے گھر میں۔'' پھر فرمایا، ''اُس کے لیے بھی امان ہوگی جو حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے گا۔''[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا، ''اور اُس کے لیے بھی امان ہے جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے۔'' رحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہاں تک فرمادیا، ''اُس کے لیے بھی امان ہے جو خود اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے۔''[3]

ابوسفیان کا گھر مکّہ کے ایک سرے پر جب کہ حکیم بن حزام کا گھر دوسرے سرے پر واقع تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح دونوں اطراف کے لوگوں کو سہولت بہم پہنچائی تھی۔ چنانچہ ابوسفیان روانہ ہونے لگا تو بحکم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اُسے لے کر پہاڑی کے دہانے پر کھڑے ہو گئے اور عظیم لشکرِ اسلام کا نظارہ کروایا جو دستوں کی صورت میں گزر رہا تھا، کئی عظیم الشان دستے گذرے جن کی قیادت علم بردار صحابہؓ کر رہے تھے۔ یہ کروفر اور جاہ وحشم دیکھ کر ابوسفیان کے دل پر ہیبت چھا گئی اور اُس نے حضرت

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۳۰۳

[2] کامل لابن الاثیر، ج ۲ ص ۲۴

[3] ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل ص ۳۰۳

عباس رضی اللہ عنہ سے کہا، ''تمھارے بھتیجے کی بادشاہت وسلطنت تو بہت قوی اور عظیم ہوگئی ہے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُسے ٹوکا اور کہا، ''افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! یہ رسالت ونبوّت ہے بادشاہت وسلطنت نہیں۔ [١]

مؤرخین نے اسلامی دستوں کی ترتیب یوں بیان کی ہے کہ سب سے پہلے خالد بن ولید کی قیادت میں بنوسلیم کے افراد کا دستہ گزرا جس میں دو جھنڈے تھے۔ خالد بن ولید نے ابوسفیان کے برابر پہنچ کر تین مرتبہ بآواز بلند تکبیر کہی۔ صدائے تکبیر نے ابوسفیان کی روح میں زلزلہ بپا کردیا اور اُس کا دِل دہل گیا۔ خالد کے پیچھے زبیر بن عوام پانچ سو (۵۰۰) پہلوانوں اور دلاوروں کے ساتھ تکبیر بلند کرتے ہوئے سیاہ علم کے ساتھ گذرے۔ پھر بنی غفار کے تین سو (۳۰۰) بہادروں کی جماعت نمودار ہوئی جس کا علم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، وہ بھی تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بنی غفار کی تعریف کی، اتنے میں بنوکعب بن عمر کا پانچ سو (۵۰۰) مجاہدین کا دستہ پہنچ گیا، اُن کا پرچم بشر بن سفیان کے ہاتھ میں تھا۔ پھر قبیلہ مزنیہ کے ایک ہزار (۱۰۰۰) جوانوں کا گزر ہُوا جن کے درمیان تین جھنڈے تھے۔ اُن کے بعد قبیلہ جہنیہ کے آٹھ سو (۸۰۰) شجاع چار علم لیے ہوئے وارد ہوئے۔ اُن کے پیچھے قوم اشجع کے تین سو (۳۰۰) سپاہیوں کی ٹکڑی تھی یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خاص فوج نمودار ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ناقے پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد تقریباً پانچ ہزار (۵۰۰۰) مہاجرین اور انصار کا جھرمٹ تھا جو سب کے سب

---

[١] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۴۴

عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایة والنهایة)، ج ۳ ص ۲۹۰

احمد ابن ابویعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ص ۵۹

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۲

ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ حصّہ اوّل، ص ۳۰۳

بطریق احسن مسلح تھے اور نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے۔ ابوسفیان ہر دستے کی آمد پر خوفزدہ اور حیران و پریشان ہو رہا تھا، جب تمام کے تمام لشکر خدائی کو اس عظمت وحشمت کے ساتھ ملاحظہ کیا تو اُس کی چشم عقل خیرہ ہوگئی اور اُس پر حیرت وہیبت چھا گئی۔ [۱]

حضرت سعد بن عبادہ کی سہو وخطا

منقول ہے کہ اُس دن ایک ہزار انصار کا دستہ حضرت سعد بن عبادہ کی کمان میں تھا۔ وہ انصار کا علم لیے اپنے دستے کے آگے آگے چل رہے تھے، جب ابوسفیان کے برابر پہنچے تو فرطِ جوش میں بولے،''آج کا دن خون بہانے اور قتل کرنے کا ہے، آج حرمتِ حرم کو حلال بنا دیا گیا ہے، اللہ نے آج قریش کو ذلیل وخوار کر دیا ہے۔'' پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے بولے،''اے اوس وخزرج کے لوگو! آج تم قریش سے اُحد کا انتقام لو گے۔'' حضرت سعدؓ نے ابوسفیان کو خوف ودہشت کے گرداب میں ڈال دیا تھا، وہ فریاد وفغاں کرتا ہُوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کرنے لگا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قوم (قریش) کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''نہیں! میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہؓ کی بات بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد نے یہ بات اپنی طرف سے سہو وخطا سے کہہ دی ہے ورنہ آج تو لطف وکرم کا دن ہے، آج حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت بڑھائے گا، تم سب خاطر جمع رکھو اور ایمان لے آؤ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے لیں اور مکّہ میں نرمی ومہربانی سے داخل ہوں۔ [۲]

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)،، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۴۴

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۴۴

علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۴۰۔ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۲ ص ۸۰۶

حافظ ابوالفدا اعمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنھایۃ)، ج ۳ ص ۳۹۲

ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری۔ تقیہ الجز الثانی، ص ۴۳

مکّہ میں ہلچل

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کومشورہ دیا کہ تم فوراً مکّہ روانہ ہوجاؤ اورقریش کوسمجھاؤ کہ وہ اسلام کے دامنِ عافیت میں آجائیں۔ چنانچہ ابوسفیان بھاگ کر مکّہ پہنچا اور اعلان کیا کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کا حکم ہے کہ جو ہتھیار پھینک دے، اپنے گھر میں رہتے ہوئے دروازہ بند کرلے، میرے گھر میں پناہ لے لے یا مسجد حرام میں داخل ہوجائے وہ امان پائے گا۔ قریش کو اُس کی بات پر یقین نہیں آیا کیونکہ اس سے پہلے حکیم بن حزام اور بدیل وہاں پہنچ چکے تھے مگر اُنھوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ پس قریش نے کہا، ''خدا تجھے روسیاہ کرے، یہ کیسی خبر لائے ہو؟'' اتنے میں اُنھیں گردوغبار اُٹھتا نظر آیا تو سٹپٹا کر پوچھا ''وہ کون ہیں؟'' ابوسفیان بولا، ''افسوس ہے تم پر! محمد (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) اپنے لشکرِ عظیم کے ساتھ وارد ہوگئے ہیں لیکن تم میں اُن کا مقابلہ کرنے کی تاب وتواں نہیں۔'' ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے غم وغصے سے اُس کی داڑھی پکڑ لی اور اُسے ذلیل وخوار کرتے ہوئے قبیلے کے لوگوں سے کہا، ''اے غالب کی اولاد! اس احمق کو مار ڈالو تا کہ ایسی بات مُنہ سے نہ نکالے۔'' ابوسفیان نے کہا، ''جیسے چاہو مجھے ذلیل وخوار کرواور جو چاہو سلوک کرو لیکن خدا کی قسم تمھاری گردنیں اُڑادی جائیں گی اور تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ گھروں میں گھس جاؤ اور دروازے بند کرلو۔''

رسولِ معظم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جب ''مرّ الظہران'' سے آگے بڑھنے لگے تو زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ مہاجرین کی جماعت لے کر مکّہ کی بلندی کے راستے ''کدا'' سے حجون میں داخل ہوجاؤ، وہاں قیام کرو اور میرا خیمہ نصب کر کے میرا انتظار کرو۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ابوعبیدہ بن جراح کو حکم دیا کہ اپنی مسلح جماعت کے ساتھ وادی بطن کی طرف سے نرمی ومہربانی کے ساتھ پیش قدمی کرو اور خالد بن ولید کو حکم دیا کہ فوج کو لے کر اسفل مکّہ کے راستے آگے بڑھو۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حکم جاری فرمایا کہ اہل مکّہ اورحرم کے مجاوروں سے جنگ وقتال نہ کیا جائے اور اگر نادان اور ناسمجھ لوگ تم سے جنگ کریں تو پھر تم بھی اپنا دفاع کرنا۔[1]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۳۴۵

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مکّہ میں داخل ہونے سے پہلے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکرِ اسلام کے تمام سالاروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ''میری شدید خواہش ہے کہ مکّہ بغیر کسی خونریزی کے فتح ہو اس لیے عوام کا خون بہانے سے اجتناب کرنا۔''[1]

مکّہ کی طرف پیش قدمی

رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی لشکرِ جرار کے ساتھ اُس سرزمین کی طرف قدم بڑھایا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وطن اور آبائی شہر تھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سے تعمیر کیا گیا خانہ خدا تھا، جہاں عبادت سے آپ کو روکا گیا تھا اور جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظلم وجبر اور استحصال کے ذریعے جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں آج نمایاں شان وشوکت اور جاہ وجلال کے ساتھ واپس تشریف لا رہے تھے اور ایک لشکرِ عظیم آپ کے ساتھ تھا۔ مؤرخ کے اے حمید لکھتا ہے، ''شہر میں داخلے کے وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے حضرت علی علیہ السلام اسلامی جھنڈا اُٹھائے ہوئے تھے، جلوس سیدھا کعبہ میں داخل ہُوا، صحنِ کعبہ میں کھڑے ہو کر سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی، ''شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ اللہ ہی آسمان اور زمین کا مالک ہے، اللہ نے تم سے بہت سی باتوں کا وعدہ کیا تھا جو پوری ہو کر رہیں گی، اللہ تمھارے دشمنوں پر غالب ہے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔''[2] علامہ طبرسی بیان کرتے ہیں، ''دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہرے، دونوں ہاتھوں سے دروازے کو تھاما اور فرمایا، ''کوئی خدا نہیں اللہ کے سوا، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور تن تنہا تمام متفقہ طاقتوں کو شکست دی۔''[3]

---

[1] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج، بحوالہ سیرت ابن ہشام، ج ۲ ص ۴۰۹

[2] کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، حصّہ اوّل ص ۸۸۔ الکامل لابن الاثیر، ج ۲ ص ۲۵۲

[3] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ ص ۶۸

بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناقے کی مہار حضرت محمد بن مسلمہؓ نے تھام رکھی تھی۔ مسلمان اور کچھ مشرکینِ مکّہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے کے اطراف میں کھڑے تھے۔ مشرکین حیران و پریشان اور خوفزدہ تھے لیکن مسلمان خوشی و شادمانی کا اظہار کررہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سرِ اقدس کو بارگاہِ الٰہی میں عاجزی اور شکرانے کے لیے اس حد تک جھکا لیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحیہ مبارکہ (ریشِ مبارکہ/ داڑھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے پالان کو چھونے لگی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالان کے اُوپر ہی سجدۂ شکر ادا فرمایا اور پھر حق تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات بھی باآواز بلند تلاوت فرمائیں۔ بروایتے اُس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔[۱]

کسی مصلحت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے نیچے اُترنے کی بجائے ناقے پر سوار ہی حرم میں تشریف لائے اور حجرِ اسود کے سامنے رُکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اسود کا بوسہ لینے کی بجائے اپنی خاص چھڑی سے اُس کی طرف اشارہ فرمایا (استلام کیا) اور تکبیر کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع صحابہ کرامؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موافقت اور اتباع کے ارادے سے باآوازِ بلند تکبیر کہی۔ مشرکین مکّہ اِدھر اُدھر پہاڑوں پر چڑھے یہ منظر دیکھ رہے تھے، تکبیر کی آوازیں اُن کے کانوں تک پہنچی تو وہ آتشِ عداوت وحسد میں جل بھن گئے۔[۲]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طوافِ کعبہ شروع کیا اور پہلے چکر کے دوران میں کعبے کے دروازے کے اُوپر نصب تین بڑے اور مشہور بتوں کی طرف مڑے۔ اُن بتوں کے نام ہبل، اِساف اور نائلہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چھڑی سے اُنھیں ٹھوکا دیا تو وہ زمین پر گر کر پاش پاش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس وقت یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: [۳] وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ (حق آیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا)''

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۴۰

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۷۳۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج

[۳] سورۃ بنی اسرائیل (الاسراء)، آیت ۸۱

جب مشرکین کا سب سے بڑا بُت ہبل زمین بوس ہوکر ریزہ ریزہ ہُوا تو زبیر بن عوام نے طنزیہ انداز میں ابوسفیان سے کہا ''یہ ہبل وہ بت ہے جس پر روزِ اُحد تم ناز کرتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے کہ ''اعل ھبل'' (بلند ہو ہبل)، آج یہ توڑ دیا گیا ہے۔'' ابوسفیان بولا ''مجھے چھوڑ و اور میری سرزنش نہ کرو، اگر ہبل کچھ کرنے کے قابل ہوتا تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔''[۱] شاید اُسے احساس ہو چکا تھا کہ اِن بتوں کا مقدر پر کوئی اختیار نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طوافِ کعبہ مکمل کر کے مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی چابیاں لاؤ۔ اُن دنوں خانہ کعبہ کی چابیاں عثمان بن طلحہ کے پاس ہوتی تھیں جو اُسے وراثت میں ملی تھیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام اُسے پہنچایا تو اُس کی ماں سلامہ بنت سعد نے چابیاں دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کعبہ کی تولیت ہمارا موروثی اعزاز ہے جسے ہم کھونے نہیں دیں گے۔ عثمان نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑا اور اپنے قریب کرتے ہوئے سرگوشی کی کہ اگر ہم خود چابیاں حوالے نہیں کریں تو وہ زبردستی ہم سے لے لیں۔ اور بروایتے عثمان نے اپنی ماں سے کہا کہ چابیاں دے دو ورنہ اپنی کمر سے تلوار نکالتا ہوں۔ پھر ماں کے ہاتھ سے چابی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔[۲] الغرض، خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اندر داخل ہوئے۔ کعبہ کی اندرونی دیواریں مختلف قسم کی تصاویر اور نقوش سے بھری پڑی تھیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام کی تماثیل بھی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے اُنھیں آبِ زم زم سے دھو دیا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لائے اور اُس کے دروازے پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا، ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، دشمنوں کو ہزیمت دی اور اپنے لشکر کو غالب فرمایا۔''[۳] بے شک اللہ

---

[۱] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۴۸

[۲] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج، بحوالہ واقدی، مغازی واقدی، ج ۲ ص ۸۳۳۔ مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۴۹

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۵۱

عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت پر واپس لوٹائے گا۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:[1]

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍؕ○

(بیشک جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قرآن کا فریضہ عائد کیا ہے وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی منزل تک ضرور واپس پہنچائے گا۔)

عام معافی کا اعلان

عموماً اس طرح کی عظیم الشان فتوحات بہت بڑی تباہی و بربادی کے بعد حاصل ہوتی ہیں اور ایسی فتوحات کے بعد بھی بڑے پیمانے پر خونریزی اور لوٹ مار کی جاتی ہے لیکن یہاں فتح کی جانے والی سرزمین مکہ معظّمہ کی تھی اور فاتح رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو عالمین کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم الشان فتح کے بعد عام معافی کا عظیم الشان اعلان فرمایا۔ بعض مؤرخین نے یہ اعلان خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیے جانے کے بعد بیان کیا ہے لیکن اکثریت اس کا ذِکر اس سے پہلے کرتی ہے۔ مؤرخ کے اے حمید لکھتے ہیں، ''سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز ادا کی، بعد میں چاہِ زم زم پر پہنچے اور وہاں کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔ اس کے بعد ایک اعلان جاری کیا جو دُنیا کی تاریخ میں نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔ فرمایا، ''آج کے دن تم کو کوئی خطرہ نہیں اے جماعتِ قریش! آج خدا نے تمھارے جاہلانہ غرور کو خاک میں ملا دیا اور تمھاری لنترانیاں (شیخیاں/ ڈینگیں) خاک میں مل گئیں۔ سُن رکھو! خدا نے تم کو خاک سے پیدا کیا ہے اور پھر خاک میں ملا دے گا۔ خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو خدا سے ڈرے اور جس کے عمل شریفانہ ہوں۔ اے رؤسائے شہر! میں نے تم کو آزاد کیا اور میں تم سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں کروں گا۔''[2]

---

[1] سورۃ القصص، آیت ۸۵

[2] کے اے حمید، تاریخ مسلمانانِ عالم، ج ۱ ص ۸۸

مؤرخ علامہ طبرسی لکھتے ہیں، ''قریش کے بڑے آدمی کعبہ میں آئے اور اُن کا غالب گمان یہ تھا کہ وہ تہِ تیغ ہونے سے بچ نہیں سکتے۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کی طرف تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (خانہ کعبہ کے) دروازے کے دونوں پہلو ہاتھوں میں پکڑے اور کہا کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے، اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور وہ تنہا تمام مخالف جماعتوں پر غالب آیا۔ پھر فرمایا، ''بتاؤ! اب تمھارا کیا گمان ہے؟ تم کیا کہتے ہو؟'' سہیل بن عمرو نے کہا، ''ہم اچھا ہی گمان رکھتے ہیں اور اچھا ہی کہتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک شریف بھائی ہیں اور چچا کے بیٹے ہیں۔'' فرمایا، ''اچھا! میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے کہا تھا کہ تم پر اب اس وقت مجھے کوئی الزام نہیں دینا ہے، اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحیم ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر خون اور مال کا مطالبہ اور فخر جو جاہلیت کے دَور کا ہے وہ سب میرے پاؤں کے نیچے (پامال) ہے۔ سوائے کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی سیرابی کے، یہ عہدے اُنھیں کو واپس کیے جاتے ہیں جن کے پاس پہلے سے تھے۔ آگاہ ہونا چاہیے کہ مکّہ اللہ کی طرف سے محترم ہے، اس میں کوئی خونریز اقدام مجھ سے پہلے کبھی حلال نہیں تھا اور میرے لیے تھوڑی دیر کے لیے آج حلال ہُوا ہے اور اب قیامت تک کے لیے اس کی حرمت قائم و دائم ہے۔ اس کے درخت کو کاٹا نہیں جاسکتا اور اس میں کسی شکار کو چھیڑا نہیں جاسکتا اور اس میں گِری پڑی کسی چیز کو اُٹھانا جائز نہیں سوائے اُس کے جو مالک کو ڈھونڈ کر اُس تک پہنچانا چاہتا ہو۔'' پھر فرمایا، ''تم میرے پڑوسی تھے، تم نے مجھے جھٹلایا، مجھے میرے گھر سے نکالا، ہر طرح سے شکست دینے کی کوشش کی اور پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا اور تم میرے شہر (مدینہ) میں جا کر مجھ پر حملہ آور ہوئے اور جنگ کے لیے چڑھائی کی۔ ان تمام باتوں کے باوجود جاؤ میں تم سب کو چھوڑتا ہوں۔'' اس اذن کو سُن کر سب لوگ نکلے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر باہر نکلے ہیں اور پھر وہ سب دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔''[1]

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۱۸

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تاریخی جملہ، ''جاؤ میں تم سب کو چھوڑتا ہوں'' (فاذھبو ا فانتم الطلقآء)، کئی مؤرخین نے مختلف سیاق وسباق کے ساتھ درج کیا ہے مگر سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ مثلاً، ابن الوردی نے تاریخ ابن الوردی میں،[۱] ابو الفدا نے تاریخ ابو الفدا میں،[۲] ابن اثیر نے کامل میں،[۳] مسعودی نے مروج الذہب میں،[۴] ابن القیم جوزیہ نے زادالمعاد فی ہدی خیر العباد میں،[۵] اور محمد بن عبدالوہاب نجدی نے مختصر سیرۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں[۶] وغیرہ وغیرہ۔

علامہ علی نقی نقوی لکھتے ہیں، ''جو فقرہ سب کے یہاں متفقہ طور پر موجود ہے، وہ ہے، ''فاذھبوا فانتم الطلقآء'' (جاؤ تم سب کو چھوڑتا ہوں)۔ یہ 'طلقاء'' ''طلیق'' کی جمع ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو بحیثیت اسیرِ جنگ پکڑا جائے جو اس کے بعد غلام یا کنیز کی حیثیت سے فریق مخالف (فاتح) کی ملکیت ہوتا ہے مگر رحم کھا کر اُسے چھوڑ دیا جائے۔ اس لفظ کے اندر معافی کے اعلان کے ساتھ تحقیر اور سرزنش دونوں موجود ہیں اس لیے یہ لفظ ہمیشہ کے لیے اُن کے دامن پر داغ بن کر رہ گیا۔[۷]

مکّہ بغیر کسی جنگ وجدال کے فتح ہُوا تھا لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس موقع پر تین (۳) بے گناہ مسلمان شہید اور اٹھائیس (۲۸) مشرکین قتل بھی ہوئے۔ علامہ طبرسی بیان کرتے ہیں کہ شہید ہونے والے تینوں مسلمان اتفاق سے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ راستہ بھول کر کافروں

---

[۱] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی طبع مصر ۱۲۸۴ء، ج ۱ ص ۱۳۰

[۲] ابوالفدا، تاریخ ابوالفدا، ج ۱ ص ۱۵۲

[۳] ابن اثیر، کامل، ج ۲ ص ۲۵۲

[۴] مروج الذہب ومعادن الجواہر (تاریخ مسعودی)، ابوالحسن بن حسین بن مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) ج ۱ ص ۴۱۸

[۵] ابن القیم جوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ)، زادالمعاد فی ہدی خیر العباد طبع مصر، ج ۲ ص ۱۶۵

[۶] محمد بن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ ہجری) مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبع مصر

[۷] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۴۵

کے حلقے میں پہنچ گئے اور شہید کر دیے گئے۔[1] اور مشرکین کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ خالد بن ولید نے جس راستے سے مکّہ میں داخل ہونا چاہا تھا وہاں مشرکین نے مزاحمت کی اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی جس کے نتیجے میں اُن کے اٹھائیس (۲۸) آدمی مارے گئے جب کہ دو (۲) مسلمان شہید ہوئے۔[2]

بُت شکنی اور تطہیرِ کعبہ

فتح مکّہ کے وقت خانہ کعبہ کے اندر یا اُس کے اردگرد تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت تھے۔ کچھ اہل سیر نے لکھا ہے خانۂ کعبہ کے آس پاس وہ بت پائے گئے تھے اور کچھ نے لکھا ہے خانہ کعبہ کے اندر تھے چنانچہ یہ واضح نہیں کہ وہ بت کعبہ کے اندر تھے یا اُس کے آس پاس؟ ممکن ہے کچھ اندر ہوں اور کچھ باہر لیکن یہ تو طے ہے کہ وہ تھے حرم کے اندر ہی اور ان کی اتنی بڑی تعداد کا مطلب یہ تھا کہ تمام قبائل نے اپنے اپنے بت وہاں لا کر رکھے ہوئے تھے اور مختلف بت مختلف معاملاتِ زندگی سے منسوب تھے۔ (ان کی تفصیل کتابِ ہذا کے باب ''عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل، لات وعزیٰ وغیرہ'' صفحہ ۱۲۵ پر دی جا چکی ہے۔)

فتح مکّہ کے بعد پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن مورتیوں اور بتوں وغیرہ کو توڑ کر اور تماثیل واصنام اور دیواری تصاویر وغیرہ کو نیست ونابود کر کے خانہ کعبہ کو پاک وصاف کرایا۔ روایت ہے کہ بُتوں کو سیسے کے ساتھ مضبوطی سے پیوست کیا گیا تھا۔ نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عصائے مبارک کی نوک سے ایک ایک بُت کو ٹھوکا دیتے جاتے اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے جاتے ''وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (حق آیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا)''[3] عصائے مبارک کے چھوتے ہی بُت زمین پر گر کر پاش پاش ہو جاتا۔

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۸۹

[2] ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ ہجری)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۳۰

[3] سورۃ بنی اسرائیل (الاسراء)، آیت ۸۱

اہلِ سنت کے مشہور محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اپنی مشہور و معروف کتاب مدارج النبوّت میں بحوالہ دیگر کتبِ سیر تحریر فرماتے ہیں کہ چند بڑے بڑے بُت اُونچی جگہوں پر نصب تھے جن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا، اُن ہی میں ہبل نامی بت بھی تھا۔ جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! اپنے قدم ناز کو میرے کندھوں پہ رکھیے اور اِن بتوں کو گرادیجیے۔ (جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ بت شکنی کے اس عمل میں آپ شروع ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معاونت فرما رہے تھے یعنی اس تاریخی موقع پر رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تنہا نہیں تھے بلکہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے۔ مؤلف) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے علی (علیہ السلام)! تم میں بارِ نبوّت اُٹھانے کی طاقت نہیں اس لیے تم میرے کندھوں پر آؤ اور اِن بتوں کو گراؤ۔ تعمیلِ ارشاد کی خاطر جناب علی علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوشِ مبارک پر سوار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے پوچھا، ''یا علی (علیہ السلام)! کیا محسوس کر رہے ہو؟'' عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! یوں لگتا ہے کہ تمام حجابات اُٹھ گئے ہیں، میرا سر عرش سے جاملا ہے اور میں جدھر ہاتھ بڑھاتا ہوں وہ چیز میرے پاس آجاتی ہے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے علی (علیہ السلام)! تمھارا یہ وقت کیا خوب ہے کہ تم کارِ حق ادا کر رہے ہو اور میرا یہ حال کتنا مبارک ہے کہ میں بارِ حق اُٹھائے ہوئے ہوں۔ (گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو حق قرار دیا۔ مؤلف) علی المرتضیٰ علیہ السلام نے بتوں کو زمین پر گرادیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو پھر دوشِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زمین پر کود پڑے اور جب نیچے گرے تو مسکرانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے مسکرانے کا سبب پوچھا تو عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں اتنی بلندی سے گرا ہوں مگر مجھے کوئی چوٹ نہیں آئی۔'' فرمایا، ''یا علی (علیہ السلام)! تمھیں اُٹھانے والے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اُتارنے والے جبرائیل (علیہ السلام) تھے تو پھر چوٹ کیسے آتی؟''[1]

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۴۸، ۳۴۹

قدیم محدثین میں احمد بن حنبل اپنے مشہورِ آفاق مسند میں، مسند علی (عَلَیہِ السَّلام) کے ذیل میں دو جگہ درج کرتے ہیں اور حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی جو کہ صحاح ستہ کے مصنفین میں سے ایک ہیں، اپنی ایک کتاب خصائص علویہ میں امیر المومنین حضرت علی عَلَیہِ السَّلام کی زبانی درج کرتے ہیں، ''رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم خود میرے لیے بیٹھے اور فرمایا تم میرے کاندھے پر چڑھو۔'' آپ کا بیان ہے کہ حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مجھے لے کر کھڑے ہو گئے اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں آسمان سے جو چاہوں لے لوں یہاں تک کہ میں خانہ کعبہ کے اُوپر بلند ہو گیا اور اُس پر ایک زرد پیتل کی مورت تھی جسے میں دائیں بائیں اور آگے پیچھے حرکت دینے لگا یہاں تک کہ میں نے اُسے بالکل ہلا دیا تو حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ بس اب اس کو گرا دو۔ میں نے اُس کو اُوپر سے نیچے پھینکا تو وہ اس طرح ٹوٹی جیسے شیشہ ٹوٹتا ہے۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ میں بلندی پر واقع بتوں کو توڑنے کے لیے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت علی عَلَیہِ السَّلام سے فرمایا کہ تم بارِ نبوّت نہیں اُٹھا سکتے اس لیے مجھے اُٹھانے کی بجائے تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ اور یہ بت توڑو۔

میں جتنا اس مکالمے پر غور کرتا جاتا ہوں میرا دماغ اُتنا ہی اُلجھتا جاتا ہے۔ میری یہ مجال نہیں کہ فرمانِ نبی گرامی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر کوئی شک کروں یہ تو بس میری عقل ناقص کی نارسائی ہے جس نے مجھے اُلجھا رکھا ہے کہ محدثین و مؤرخین آخر کہنا کیا چاہتے ہیں؟ جناب رسولِ معظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو علی عَلَیہِ السَّلام کا اپنے کاندھوں پر اُٹھانا بارِ نبوّت اُٹھانے کے مصداق تو نہیں ہو سکتا، ہاں بارِ نبی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) ہو سکتا ہے۔ اگر یہ صاحبانِ علم بارِ نبی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) کو ہی بارِ نبوّت کہتے ہیں تو پھر وہ بارِ شبِ ہجرت براق نے یا خچر دُل دُل نے یا گھوڑے حیزوم نے یا اُونٹنی قصویٰ نے کیسے اُٹھایا جن پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اکثر سواری کیا کرتے تھے؟ کیا وہ جانور درِ خیبر کو اُکھاڑ کر سپر بنانے

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۵۳ ۴ بحوالہ احمد بن حنبل، مسند احمد مطبوعہ مصر ۳۶۶ ہجری ص ۵۸
حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ ہجری)، خصائص نسائی مطبوعہ لکھنؤ ص ۵۴

والے علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے زیادہ طاقتور تھے؟ اگر علمائے کرام اِس معاملے میں جانوروں کو کسی وجہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین، دادا حضرت عبدالمطلب، چچا حضرت ابوطالب، دیگر اعزہ واقربا اور خدمتگاران وغیرہ جو اپنی اپنی آغوش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد طفولیت میں اُٹھاتے رہے، اُنھوں نے وہ بارِ رسالت کیسے اُٹھالیا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت نبی اللہ نہیں تھے؟ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بات بارِ نبوّت اُٹھانے کی نہیں بلکہ کچھ اور ہی رہی ہوگی جو تاریخ کے اوراق میں کہیں گم ہوگئی ہے یا کردی گئی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان

بروایتے نماز ظہر کا وقت ہُوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کی چھت پر گئے اور بآوازِ بلند اذان کہی۔ اللہ وحدہ' لاشریک کی وحدانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعلان مشرکینِ مکّہ کے کانوں تک پہنچا تو وہ بدخصلت اور بدبخت طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کسی نے کہا فلاں اور فلاں خوش قسمت تھے جو دُنیا سے چلے گئے اور آج یہ اذان سننے کے لیے باقی نہ رہے۔ ابوسفیان بولا ''میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جاسوسوں سے ڈرتا ہوں کہ مبادا ہماری گفتگو سُن کر اُن تک پہنچادیں۔''[۱]

مکّہ میں مختصر قیام

فتح مکّہ کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف روایات کے مطابق، پندرہ (۱۵) دن، سترہ (۱۷) دن یا اٹھارہ (۱۸) دن مکّہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ زیادہ تر راوی اس پر متفق ہیں کہ اس تمام عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ قصر ادا فرمائی۔[۲]

---

[۱] آیت اللہ جعفر سبحانی، دی میسیج

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت ج ۲ ص ۳۶۳، بحوالہ المواہبُ اللدنیہ اور بحوالہ ترمذی۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۵۷ بحوالہ طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۱۳۹

غزوۂ حنین

(شوال ۸ ہجری/ جنوری فروری ۶۳۰ء)

مکّہ مکرمہ سے طائف کے راستے میں ''حنین'' نام کا ایک چشمہ ہے، شوال سنہ ۸ ہجری میں یہ غزوہ اُس چشمے کے قریب واقع ہُوا اس نسبت سے اسے غزوۂ حنین کہا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں مخالف قبیلہ ''ہوازن'' تھا اس لیے اسے غزوۂ ہوازن بھی کہتے ہیں۔

فتح مکّہ تک عرب کے تقریباً تمام قبائل مطیع ہو چکے تھے سوائے قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے جو اسلام کے خلاف شدید کینہ اور بغض وعناد رکھتے تھے۔ یہ دونوں قبیلے بہت مالدار اور جنگجو تھے۔ ان کے پاس جدید اسلحے کی بہتات اور تربیت یافتہ سپاہیوں کی بھاری نفری موجود تھی۔ اپنی عسکری قوت کی بدولت اُنھیں یہ زعم تھا کہ ہم بڑی آسانی سے اسلامی حکومت کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔ فتح مکّہ کے بعد ان دونوں قبیلوں کے سردار آپس میں ملے اور متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنایا۔ اُن کا خیال تھا کہ مسلمان مکّہ والوں پر غلبہ حاصل کرنے میں اس لیے کامیاب ہوئے تھے کہ قریش فنِ حرب کے ماہر نہیں تھے اور ہم چونکہ اس میں طاق ہیں اور بہترین عسکری قوت ومہارت رکھتے ہیں اس لیے وہ ہمیں مغلوب نہیں کر سکتے بلکہ ہم اُنھیں شکست فاش دے کر نیست ونابود کر دیں گے۔ اُنھوں نے سوچا، ''اس سے پہلے کہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) مکّہ فتح کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوں ہم ہی اُن پر حملہ کر دیں۔'' چنانچہ قبیلہ ہوازن کا سردار مالک بن عوف نصری اور قبیلہ ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یالیل ثقفی چار ہزار (۴۰۰۰) کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ اُس لشکر میں ہوازن اور ثقیف کے علاوہ قرب وجوار کے قبائل بھی شامل تھے۔ مالک بن عوف اپنی فوج کے ساتھ اسلامی لشکر سے پہلے ہی وادی حنین میں داخل ہو گیا، اُس نے اپنے سپاہیوں کو گھات میں بٹھا دیا تاکہ جونہی لشکرِ اسلام وہاں پہنچے تو اچانک تیراندازی شروع کر کے

اُسے وہیں چھلنی کر دیا جائے۔

اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے ناپاک عزائم کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اُن کی سرکوبی کو روانہ ہوگئے۔ بروایتے وہ ہفتہ، ۶ شوال ۸ ہجری کا دن تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مدنی مجاہدین اور دو ہزار (۲۰۰۰) ''طلقاء وحلقاء'' (مکّہ کے وہ لوگ جنھیں فتح مکّہ کے موقع پر عام معافی دی گئی تھی) کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۰ شوال بروز منگل رات کے وقت وادیٔ حنین میں داخل ہوئے۔ اسلامی لشکر کی کثرت اور شان وشوکت کو دیکھ کر مسلمانوں میں سے ایک شخص نے غرور سے کہا، ''آج ہم قلتِ تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔'' یعنی اُس نے فوج کی کثیر تعداد پر فخر کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس شخص کا یہ فخر وغرور پسند نہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔

اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو ہزیمت اور شکستگی کی جو صورت پیش آئی اُس کا سبب یہی (کلمۂ غرور) تھا تاکہ مسلمان جان لیں کہ فتح ونصرت کثرتِ تعداد اور تیاری پر منحصر نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔[1]

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا:[2] ''لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝'' (بیشک اللہ نے کثیر مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور (اے مسلمانو!) حنین کے موقع پر بھی جب تمھاری کثرتِ تعداد نے تمھیں مغرور کر دیا تھا مگر اس (کثرت) نے تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔)

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۶۷

[2] سورۃ التوبۃ، آیت ۲۵

حنین کی وادی تنگ اور دشوار گزار گھاٹیوں پر مشتمل تھی، جگہ جگہ گڑھے اور کھائیاں تھیں، لشکر کا ایک ساتھ گزرنا ممکن نہیں تھا اس لیے لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں اُن گھاٹیوں میں داخل ہُوئے۔ یہ کافروں کے منصوبے کے عین مطابق تھا اس لیے اُنھوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ایک دم ہلہ بول دیا۔ مسلمان تیروں کی منہ زور بارش سے بوکھلا اُٹھے اور متفرق و متزلزل ہوکر پیچھے بھاگنے لگے۔ کفّار کے مُنظّم اور منجھے ہوئے سپاہیوں نے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کا پیچھا کیا تو جذبۂ ایمانی سے سرشار ہونے کا دعویٰ کرنے والے کثیر مسلمان اپنے ایمان کا بار حنین کی گھاٹیوں میں پھینک کر اور رسولِ معظم ﷺ کو تنہا چھوڑ کر اُحد کی تاریخ دُہراتے ہوئے فرار ہوگئے اور لشکرِ اسلام میں ایسا تفرقہ پڑا کہ معدودے چند مومن ہی اپنی جگہ ڈٹے رہ گئے۔ اُن ثابت قدم دلاوروں میں سیّدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام، عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، پسران حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم، ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔[۱]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کو یوں بیان کیا ہے کہ ہم لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ حنین کی وادی میں پہنچے جہاں بہت طولانی نشیبی راستہ تھا۔ دشمن کے سپاہی پہلے سے ہی اُس وادی میں اِدھر اُدھر چھپے ہوئے تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی وہ بڑے بڑے رسالوں کی صورت میں، ہاتھوں میں تلواریں، لوہے کے گرز اور نیزے لیے ہوئے ہم پر ٹوٹ پڑے۔ وہ سب ایک ساتھ حملہ آور ہوئے تھے اس لیے ہمارے تمام آدمی اس طرح پسپا ہوئے کہ ایک دوسرے کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ رسولِ خدا ﷺ آگے بڑھے، اس وقت آپ کے گھوڑے کو صرف نو (۹) جان باز اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھے جو سب کے سب بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔[۲]

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۶۹

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۶۹

مؤرخین نے اس کی منظر کشی یوں کی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آگے تلوار کھینچے ہوئے کھڑے تھے، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرکب کی نیام پکڑے ہوئے تھے، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دائیں طرف اور مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بائیں طرف تھے۔[۱] حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ''تمام مسلمانوں نے آج کے دن پیٹھ دکھائی، چند آدمی تھے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ برقرار (یعنی ثابت قدمی سے ڈٹے ہوئے) تھے۔''[۲]

جب تمام لوگ تتر بتر ہوگئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چند جانبازوں کے ساتھ تنہا رہ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مرکب پر دونوں رکابوں پر زور دے کر کھڑے ہوئے، خداوند عالم سے فتح ونصرت کی دُعا فرمائی اور پھر بھاگتے ہوئے اصحاب کو حدیبیہ والی بیعت یاد دلا کر اور للکار کر اُن کی کمزوری پر سختی کے ساتھ متنبہ کیا۔[۳] پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اُن بھاگنے والوں کو پکارو اور اُنھیں اس طرح آواز دو، ''اے گروہ انصار! اور اے اصحابِ سمرہ!'' (سمرہ اُس درخت کا نام تھا جس کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر ''بیعتِ رضوان'' ہوئی تھی)[۴] گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن بھاگنے والوں کو بیعتِ رضوان (اس کی تفصیل حدیبیہ کے باب میں صفحہ ۶۰۶ پر دی جاچکی ہے) کا حوالہ دے کر بلوایا کہ تم نے تو نہ بھاگنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

اُس موقع پر ایک مسلمان خاتون اُمّ سلیم بنت ملحان بھی وہاں موجود تھی۔ وہ ہاتھ میں خنجر لیے اپنے شوہر ابوطلحہ کے اُونٹ کو سنبھالے کھڑی تھی اور مسلمانوں کے فرار کا منظر بھی دیکھ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سے پوچھا، ''اے اُمّ سلیم! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اُمّ

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۶۹

[۲] حافظ ذہبی، العبر فی اخبار من غبر، ص ۱۱۹

[۳] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۶۳

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۶۹

سلیم نے اپنی وہاں موجودگی کا سبب بیان کیا اور عرض کیا، ''حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اِن مشرکوں سے جنگ کریں اور مجھے اجازت دیں کہ میں اُن مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کروں جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو تنہا چھوڑ کر بھاگے چلے جا رہے ہیں کیونکہ وہ یقیناً واجبُ القتل ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمّ سلیمؓ کی واجبُ القتل والی بات کو رد نہیں کیا بلکہ فرمایا، ''او یکفی اللّٰہ یا اُمّ سَلِیم'' (جانے دو اے اُمّ سلیم! اُنھیں خدا ہی سمجھے۔)[1]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے۔ اُنھوں نے بھاگتے ہوؤں کو پکارا تو اُن کی آواز پر تقریباً سو کے قریب مسلمان پلٹ آئے اور دوبارہ جنگ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے میدان میں تشریف لائے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مٹھی بھر سنگریزے یا ایک مشت خاک طلب فرمائی اور اُس پر ''شاھت الوجوہ'' (ان کے منہ پھر جائیں) پڑھ کر اُسے دشمنوں کی جانب پھینک دیا۔ وہ خاک یا سنگریزے کفار کے تمام لشکریوں کے چہروں پر پڑے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کی آواز سے یوں لگتا تھا جیسے آسمان سے کسی طشت میں پھینکے گئے ہوں۔ ہوازن کے لشکریوں کا کہنا تھا کہ وہ سنگریزے ہم سب کی آنکھوں میں پڑے اور ہم مضطرب و خوفزدہ ہوگئے۔ اُن سے ایسی خوفناک آوازیں آرہی تھیں جیسے طشت پر ہتھوڑا مارا جا رہا ہو۔ اس دوران میں آسمان پر سیاہ بادل سا نمودار ہُوا جو ہمارے اُوپر چھا گیا پھر سیاہ چیونٹیوں سے تمام میدان لبریز ہوگیا اور زمین و آسماں کے درمیان ہر طرف سفید لباس گھڑ سوار نظر آنے لگے۔ ہم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُن کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھ سکیں۔ بقولے، وہ ملائکہ تھے جو یومِ بدر کی طرح اہلِ ایمان کی اعانت کے لیے آئے تھے مگر محققین کہتے ہیں کہ اُنھوں نے بدر کی طرح حنین میں جنگ نہیں کی تھی بلکہ محض مسلمانوں کی تقویت کے لیے نازل ہوئے تھے۔ پس، فتح آخرکار مسلمانوں کا مقدر بنی۔

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۶۵ بحوالہ طبری، ص ۲۶۳

علامہ علی نقی نقوی تاریخ اسلام میں بیان کرتے ہیں کہ اس جنگ میں فتح مکّہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے یا ہتھیار ڈالنے والے افراد بکثرت شامل تھے۔ وقت کی سختی نے اُن میں سے بہت سوں کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے جذبوں کو نمایاں کر دیا تھا جن سے پتا چل گیا کہ بے بسی کے عالم میں اُس اظہارِ اسلام یا ظاہری اتحادِ عمل کی کوئی اصلیت نہیں تھی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں شکست کے ذمہ دار بھی وہی لوگ تھے کیونکہ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن کی قیادت کر رہا تھا اور دشمن کے جان توڑ حملوں کے شروع ہوتے ہی اُس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ راہِ فرار اختیار کر لی تھی جس کے بعد پوری جماعت کے قدم اُکھڑ گئے۔ اُس شکست سے خوش ہوکر ابوسفیان نے چیخ کر کہا تھا ''اب سمندر کے ادھر ان کی پسپائی رُک نہیں سکتی۔''[۱] کچھ مؤرخین نے اس جملے کے ساتھ ساتھ صراحت کی ہے کہ اب تک اُس کے ترکش میں ''ازلام''یعنی وہ پانسے موجود تھے جو اُس کے زمانۂ شرک کی یادگار تھے۔[۲]

اس معرکے میں جو بروایتے ۱۰ شوال کو واقع ہُوا، مشرکین کے ستر (۷۰) سے زیادہ لوگ قتل ہوئے جب کہ مسلمانوں کے صرف چار (۴) آدمی شہید ہوئے۔[۳] اور اس میں بکثرت اموالِ غنیمت اور لونڈیاں اور غلام وغیرہ ہاتھ آئے۔ بروایتے، قیدیوں کی تعداد چار ہزار (۴۰۰۰) تھی، بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) اُونٹ اور بے شمار نقد و جنس تھا۔ بعض مؤرخین نے اس سے بھی زیادہ مالِ غنیمت بیان کیا ہے، اُن کے مطابق اُونٹوں کی تعداد چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰)، اور چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور تقریباً ایک من چاندی تھا۔[۴]

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۶۲۴ بحوالہ الامام علی طبع بیروت، ص ۱۲۲

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۶۲۴ بحوالہ تاریخ طبری ص ۱۶۲۱، کامل ابن اثیر، ج ۲ ص ۲۶۳

[۳] دفیتہ الاسلام، ص ۱۷۴

[۴] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ج ۱ ص ۱۳۳

جنگ اوطاس وطائف

حنین کی شکست کے بعد کچھ مشرکین ''اوطاس'' کی طرف بھاگ گئے جب کہ قبیلہ ثقیف اور اُن کے ساتھی ''طائف'' جا کر مورچہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوطاس والوں کے تعاقب میں حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا لیکن وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اُن کی شہادت کے بعد اُن کے چچازاد بھائی ابو موسیٰ اشعری نے جماعت کی کمان سنبھال لی اور بالآخر فتح سے ہمکنار ہوئے۔ [1]

طائف ایک ایسا شہر تھا جس کے چاروں طرف مضبوط فصیل تھی اور اندر ایک مضبوط و مستحکم قلعہ تھا۔ یہاں کے لوگ خوشحال، فنِ حرب کے ماہر اور جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ اُنھوں نے قلعے میں محصور ہو کر چاروں طرف منجنیقیں نصب کر لیں، اہم مقامات پر تیر انداز متعین کر دیے اور متوقع اسلامی لشکر کو روکنے کے لیے پوری طرح تیار اور مستعد ہو گئے۔

شوال کے مہینے میں رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُدھر متوجہ ہوئے اور دس دن تک اُن کا محاصرہ کیے رکھا۔ [2] بروایتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قیادت میں فوج کو طائف کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور خالد بن ولید کو مقدمۃ الجیش کا سالار مقرر کر کے پہلے روانہ کر دیا۔ اسلامی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کر کے پہلی مرتبہ قلعہ شکن آلات دبابہ اور منجنیق استعمال کیے لیکن اہلِ قلعہ محاصرین سے زیادہ اس فن میں ماہر تھے اور پھر وہ قلعے کے اُوپر بلند اور محفوظ مقامات میں تھے لہٰذا وہ بروقت جوابی کاروائی کر کے اور حملہ آوروں کو نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ محاصرہ بیس دن تک رہا۔ [3] اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے محاصرے کے دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ گرد و نواح میں

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۶۷

[2] ابوالفدا (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابوالفدا، ج ۱ ص ۱۵۳

[3] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۶۱۸

پھیل جائیں چنانچہ اُنھوں نے قرب وجوار کے دشمنوں سے جنگ وقتال کی، ہوازن وثقیف کے بتوں کو توڑ دیا اور مشرکوں کے آثار ودیار کو برد باد کر کے بارگاہِ رسالت میں لوٹ آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ پاک علی علیہ السلام کے رُوئے منور پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تکبیر بلند کی اور خلوت وتنہائی میں خفیہ طور پر بہت سی باتیں علی علیہ السلام کو ہدایت فرمائیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اُس خلوت وتنہائی کا دورانیہ طویل ہوگیا تو صحابہ کہنے لگے، ''تعجب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راز ونیاز کی باتیں اپنے چچا کے فرزند سے فرماتے ہیں اور دوسروں سے نہیں کہتے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مَا اَنْجَیْتُہٗ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَنْجَاہُ ○'' (اُن سے راز کی باتیں میں نہیں کرتا بلکہ اللہ کرتا ہے) مطلب یہ کہ میں ازخود اُن سے وہ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ مجھے حکم دیتا ہے تو کرتا ہوں۔[۱] تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ جنگ ہوئی جس میں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اُن کے سردار کو قتل کیا اور وہ (دشمن) شکست کھا گئے۔[۲]

ایک وہ وقت تھا جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی مرتبہ مکّہ سے طائف تشریف لے گئے تھے اور طائف والوں کے ظلم وستم سے لہولہان ہو گئے تھے، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہلِ طائف کے لیے بددُعا نہیں کی بلکہ فرمایا کہ میں اِن لوگوں کی تباہی وبربادی کے لیے کیوں بددُعا کروں؟ اگر یہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو (نہ سہی) اُمید ہے کہ اِن کی آئندہ نسلیں ضرور خدائے اَحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔ (تفصیل کتاب ہذا کے باب ''طائف'' میں صفحہ ۲۸۸ پر بیان کی جاچکی ہے) اور ایک یہ وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اسلام کا لشکرِ عظیم تھا۔ اِس موقع پر بھی بعض صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ بنوثقیف کے لیے بددُعا فرمائیں۔ مگر رحمۃً لّلعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اب کی بار بھی بددُعا سے اجتناب فرمایا اور آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر اپنے معبودِ برحق کی خدمت میں عرض کیا، ''الٰہی! بنوثقیف کو ہدایت دے کہ وہ میرے پاس چلے آئیں۔''

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۳۷۷

[۲] ابن الوردی (متوفی ۱۳۴۹ء)، تاریخ ابن الوردی، ج ۱ ص ۱۳۳

انصار کا احساس محرومی
اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبۂ ایجاز و بلاغت

حنین اور اُس کے بعد اوطاس و طائف کی مہمات سے فراغت حاصل ہوئی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف سے واپسی پر جعرانہ میں قیام فرمایا اور حنین و اوطاس و طائف کا مالِ غنیمت جو اَب تک کی مہمات میں حاصل ہونے والا سب سے زیادہ مال تھا، تقسیم فرمایا۔ لشکرِ اسلام میں اُس وقت قریش کے نومسلم لوگوں کی جماعت بھی شامل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی تالیف قلوب کے لیے مالِ غنیمت کا کثیر حصّہ اُن کے درمیان تقسیم فرمایا یہاں تک کہ کافی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کے حصّے میں سوسو اُونٹ آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بلند پایہ مدبر، عظیم ترین راہنما اور سراپا رحمت نبی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ نبوّت جو دیکھ سکتی تھی عام انسانوں کے لیے اُس کا تصوّر بھی محال تھا چنانچہ انصار کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی کو نہ سمجھ سکے اور قریش پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عنایتِ کثیرہ پر رنجیدہ ہو کر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے درمیان تشریف لائے۔ حضرت علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھے۔ اُس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسا خطبہ دیا جو مختصر ہونے کے باوجود فصاحت و بلاغت کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

''کیا یہ سچ نہیں کہ اس سے پہلے تم گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں میرے ذریعے ہدایت عطا فرمائی؟ تم منتشر و پراگندہ تھے اور اُس نے میرے ذریعے تم میں وحدت و جمعیت پیدا کی؟ تم مفلس و تنگدست تھے اور اُس نے میرے ذریعے تمھیں تونگری و خوشحالی دی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر جملے پر انصار کہتے جاتے کہ اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دفعتاً اپنا اندازِ تکلم تبدیل کیا اور فرمایا:

''نہیں۔ تم یہ کہو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جب لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کی تو ہم نے

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کی، لوگوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مفلوک الحال آئے تھے تو ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہر طرح سے مدد کی۔" پھر ذرا رُک کر فرمایا، "تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم نے سچ کہا لیکن اے انصار! کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ اور لوگ تو اُونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے گھر لے جاؤ؟"

انصار کے دلوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کا ایک ایک لفظ رقت طاری کر رہا تھا، تڑپ کر بولے، "ہمیں صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہئیں اور کچھ نہیں۔"[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے لیے مزید سرمایۂ افتخار فراہم کرتے ہوئے فرمایا، "انصار میرے خاص بھروسے والے ہیں، اگر ساری دُنیا ایک طرف ہو اور دوسری طرف صرف انصار تو میں انصار ہی کی طرف جاؤں گا۔ خدایا! انصار کی بخشش فرما، ان کی اولاد اور اولاد اور اولاد کو بخشش سے مالا مال فرما۔"[۲]

جناب رحمۃً لِلّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خطاب سُن کر انصار میں گریہ کا شور بلند ہُوا، اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور وہ چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ ہم رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے حصے میں لینے پر بالکل راضی وخوشنود ہیں۔"[۳]

حضرت ابراہیم کی ولادت
(شوال ۸ ہجری/فروری ۶۳۰ء)

شوال ۸ ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی۔[۴]

---

[۱] محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۱۵۸

[۲] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۳۵، ۱۳۶

[۳] کامل ابن اثیر، ج ۲ ص ۲۷۲

[۴] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۳۸۵

سنہ ۹ ہجری
غزوۂ تبوک، غزوہ جیش العسرت، غزوۂ فاضحہ
(رجب ۹ ہجری/نومبر ۶۳۰ء)

مدینہ منوّرہ اور شام کے درمیان مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر ایک خطہ ارضی ہے جسے ''تبوک'' کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تبوک ایک چشمے کا نام ہے جو اُس جگہ پر واقع تھا۔ اس مہم میں لشکرِ اسلام کا سفر اُسی چشمے پر تمام ہُوا تھا اس وجہ سے اس کو غزوۂ تبوک کہا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس واقعے کے باب میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ آخری حد وہ ہے جب تم تبوک کے چشمے پر پہنچو۔ ''بوک'' کے لغوی معنی ہیں اتنی گہری زمین کھودنا کہ پانی نمودار ہو جائے۔[۱] اسی نسبت سے چشمے یا کنویں سے پانی نکالنے والے برتن کو بوکا کہا جاتا ہے۔

''مدارج النبوت'' میں بحوالہ صحاح مذکور ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ملاحظہ فرمایا تھا کہ صحابہؓ اُس چشمے پر پہنچ کر اپنے پیالوں کو اُس میں ڈال کر پانی کو ہلاتے تھے تاکہ پانی نکل آئے۔ اس لیے فرمایا، ''تم وہاں اُترو گے اور پانی کو ہلا کر چشمے سے نکالو گے۔'' پس اسی بنا پر اس غزوے کا نام تبوک رکھا گیا۔ اس غزوے کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں منافقین کی فضیحت ورسوائی بہت زیادہ ہوئی تھی۔ غزوۂ جیش العسرت بھی اسی غزوے کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں لشکریوں کو مشقت وبھوک پیاس اور عسرت وتنگی سے بہت تکلیف دِہ واسطہ پڑا تھا۔ تاریخ کی صراحت ہے کہ تبوک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔[۲]

۸ ہجری میں رومیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک قاصد کو شہید کر دیا تھا جس کے نتیجے میں اُسی سال جمادی الاوّل میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان موتہ کے مقام پر ایک

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۰۵

[۲] محمد حسین ہیکل، حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۴۶

بڑا ٹکراؤ ہُوا تھا۔ اُس مہم میں رومیوں نے اسلامی لشکر کے تین اہم سرداروں کو شہید کر دیا تھا اور مسلمانوں کی باقی ماندہ جماعت پسپا ہو کر مدینہ چلی گئی تھی۔ (اس کی تفصیل باب سریہ موتہ میں صفحہ ۶۵۸ پر بیان کی جاچکی ہے۔)

مورّخین لکھتے ہیں کہ اپنی اُس ادھوری کامیابی کی تکمیل کے لیے رومی بہت بے چین تھے اور مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کی نومولود سلطنت کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے چنانچہ قیصر روم نے اپنی فوجوں کو اس مذموم مقصد کے لیے مرتب کرنا شروع کر دیا۔ اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملانے کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ عسکری نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو عظیم سلطنت روم کی ناقابل تسخیر فوجوں کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے شک نبی اللہ تھے اور اللہ کی نصرت پر یقینِ کامل رکھتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عظیم ماہر حربیات اور ایک بہترین سپہ سالار بھی تھے چنانچہ رومی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی غیر معمولی لشکر کی فراہمی کے انتظامات فرمائے۔ ہمارا نقطۂ نظر اس سلسلے میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاد میں فوجی قوت اور کثرت پر کبھی انحصار نہیں کیا تھا بلکہ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کی نصرت پر یقینِ کامل رکھتے تھے تو یہ اہتمام وانصرام رومیوں کی شکست کو یقینی بنانے کے لیے نہیں تھا بلکہ اُن کمزور عقیدہ مسلمانوں کے اطمینان کے لیے تھا جو اُحد، موتہ اور حنین میں دشمن کی طاقت دیکھ کر حوصلہ ہار بیٹھے تھے اور راہِ فرار اختیار کر لی تھی۔ ہمارے خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تبوک کی اُس مہم میں کوئی جنگ ہوئی ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی اللہ ہونے کی وجہ سے اس کا علم بھی پہلے سے تھا چنانچہ جب جنگ نہیں ہونا تھی تو پھر اتنے بڑے پیمانے پر فوج جمع کرنے کی وجہ وہی ہو سکتی تھی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس تمام قبائل عرب کو، جن میں مسلمان اور مسلمانوں کے حلیف سبھی شامل تھے، جہاد میں شمولیت کے لیے خطوط روانہ کیے گئے اور فراہمی وسائل کے لیے مالی معاونت کرنے کو بھی کہا گیا۔ اس مالی امداد میں مومنین کے ساتھ ساتھ منافقین اور مولفتہ القلوب نے بھی حصّہ لیا۔

''مولفتہ القلوب'' اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو مسلمان ہوں اور اگر اُن کو کچھ مال متاع دیا جائے تو اُن

کی نظر میں اسلام کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے یا وہ کفّار کہ جن کو کچھ سیم وزر دیا جائے تو اسلام کی طرف راغب ہوں یا جنگ میں مسلمانوں کی مدد کریں اوران کی طرف سے دفاع کریں۔[۱]

اُن دنوں گرمی اپنے شباب پر تھی، سفر انتہائی کٹھن تھا اور عرب میں قحط سالی کا دَور دَورہ تھا جس کی وجہ سے فراہمی رسد کا مسئلہ درپیش تھا اور سواری کا انتظام بھی معقول نہیں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کی تعداد تیس ہزار (۳۰۰۰۰) تھی جب کہ صرف دس ہزار (۱۰۰۰۰) گھوڑے میّسر آسکے تھے۔ عالم یہ تھا کہ تین مجاہدین کے حصے میں ایک گھوڑا آیا تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوسکتے تھے لیکن مجاہدین کی ایک بڑی تعداد اس سے بھی محروم رہ گئی تھی۔ پس اس عالم تنگدستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے لیکن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ساتھ نہیں لیا اور مدینہ ہی میں چھوڑ دیا۔

علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑنے کی وجہ

علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمراہ نہ لے جانا اور مدینہ طیّبہ میں ہی چھوڑ جانا غور طلب ہے۔ علامہ علی نقی نقوی اس پر دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،''خالق کو تو معلوم ہی تھا کہ اس مہم میں جنگ ہونی ہی نہیں اس لیے میدانوں کا سر کرنا جس کا کام تھا اُسے اس مہم میں ساتھ نہیں لے جایا گیا اور مدینہ میں چھوڑ دیا۔''[۲]

شجاعت کے پیکر، مجسم علم وحکمت اور وفاؤں کے علمبردار ہمیشہ حساس اور رقیق القلب ہوتے ہیں چنانچہ جب منافقین اور بدخواہ، علی علیہ السلام کے پاس آکر فقرے چست کرنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟ ناراض ہیں کیا؟ تو آپ اُداس و پریشاں ہو گئے۔ پھر منافقین یہ افواہ اُڑانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی (علیہ السلام) سے سخت ناراض ہیں اس لیے ہمراہ نہیں لے گئے۔ یہ چرچا اتنا بڑھا کہ علی علیہ السلام کا دِل زخمی ہو گیا اور اُنھیں

---

[۱] آیت اللہ سیستانی، آسان مسائل، حصّہ دوم

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۲۷۴

حقیقت حال کا انکشاف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان پاک سے کرانے کے لیے مدینہ سے نکل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا پڑا۔ آپ نے زخمِ دل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے عِیاں کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''أَلَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى ؟ إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي○'' یعنی کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون (علیہ السلام) کو موسیٰ (علیہ السلام) سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے؟ پھر فرمایا، ''مدینہ کے لیے ضروری ہے کہ (یہاں) میں رہوں یا تم۔''[۱] یعنی ہم میں سے کسی ایک کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یوں بیان کی گئی ہے، ''ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، (اُنھوں نے) کہا ہم سے یحییٰ بن سمیر قفان نے بیان کیا، اُن سے شعبہ نے، اُن سے حکم بن عتبہ نے، اُن سے مصعب بن سعد نے اور اُن سے اُن کے والد نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو علی (علیہ السلام) کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔ علی (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے بچّوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''کیا تم اِس پر خوش نہیں ہو کہ میرے لیے تم ایسے ہو جیسے موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے ہارون (علیہ السلام) تھے لیکن فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''[۲]

ایک وجہ تو علامہ علی نقی نقوی نے خود بیان کر دی کہ جنگ نہیں ہونا تھی اس لیے علی علیہ السلام کی وہاں ضرورت ہی نہیں تھی، دوسری وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان اطہر سے بیان ہوگئی کہ مدینہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں میں رہوں یا پھر تم، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا کیوں فرمایا؟ جب کہ پہلے کئی بار ایسا ہو چکا تھا کہ غزوات کے لیے عازمِ سفر ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی نہ کسی صحابی کو مدینہ میں مقرر فرما جاتے تھے، اب ایسی کیا خاص

---

[۱] ابو الحسن المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ)، التنبیہ والاشراف، ص۲۳۶

[۲] صحیح بخاری، باب: غزوہ تبوک کا بیان، حدیث نمبر 4416

وجہ تھی جو علی علیہ السلام سے یہ فرما رہے تھے، ''ضروری ہے کہ یہاں میں رہوں یا پھر تم؟'' ہمارے نزدیک اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے ایک مکمل اور طاقتور اسلامی ریاست کا قیام نہیں ہُوا تھا اور مدینہ میں اسلام مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت پر مشتمل تھا جسے اندرونی سے زیادہ بیرونی محاذوں پر خطرات درپیش تھے کیونکہ ایک طرف تو مشرکینِ مکّہ یعنی قریش تھے اور دوسری جانب یہودیوں اور منافقوں کے طاقتور قبیلے۔ اور اب جب کہ تقریباً تمام بیرونی قوتیں، قریش اور یہودی قبیلے وغیرہ مسخر و مطیع ہو چکے تھے اور ایک طاقتور اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی جس کا دارالحکومت مدینہ تھا تو دارالحکومت میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا اُن کے جانشین کا ہونا ضروری تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی علیہ السلام کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

دوسری وجہ وہ جس کا حوالہ خود نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو دیا تھا، یعنی موسیٰ علیہ السلام کا طُور پر جاتے ہوئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین اور قائم مقام بنانا اور قوم کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دینا۔ پس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے اپنے بھائی علی علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنایا اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا حوالہ دے کر اُمت پر واضح فرمایا کہ علی علیہ السلام اُسی طرح میرے جانشین ہیں جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبوک کے مقام پر شعبان کے آخر میں پہنچے اور ماہ رمضان کے کچھ دنوں تک وہیں قیام فرمایا۔ ہرقل قیصر اُس وقت بقولے حمص میں اور بروایتے دمشق میں موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے اپنی نقل و حرکت سے بے خبر نہیں رکھا بلکہ اُس کے ساتھ خط کتابت فرماتے رہے۔ سلطنتِ روم سے بے خوفی کا یہ عملی مظاہرہ مسلمانوں میں اخلاقی مضبوطی اور اطراف و جوانب کے لوگوں پر اسلامی طاقت کے استحکام کا اثر قائم کرنے کا ذریعہ بنا جس سے اسلام اور مسلمانوں سے مرعوبیت کا اثر چاروں طرف پھیل گیا چنانچہ اِدھر اُدھر کے اربابِ اقتدار نبی خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زیرِ نگیں ہونے اور جزیہ دینے پر

تیار ہوئے، گویا بجائے سلطنتِ رُوم کے باج گذار ہونے کے وہ اسلام کے باج گذار ہو گئے۔ ان لوگوں میں اِبلہ، جربا اور اذرح کے نام تاریخ میں موجود ہیں۔ [1]

رومیوں کو اپنے ذرائع سے مسلمانوں کی پیش قدمی، عسکری سرگرمیوں اور گردونواح کے قبیلوں کی اطاعت کا حال معلوم ہو چکا تھا چنانچہ وہ اس قدر حیران و مرعوب ہوئے کہ اُنھیں مقابلے پر آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں بیس (۲۰) دن تک قیام فرما کر اُن کا انتظار کیا اور آخر کار بغیر کسی لڑائی کے فتح یاب ہو کر واپسی کے لیے عازم سفر ہوئے۔

اصحابِ عقبہ

تبوک سے مدینہ کی طرف جانے والے دو راستے تھے۔ ایک میدانی راستہ تھا جو ہموار اور آسان تو تھا لیکن بہت طویل تھا جب کہ دوسرا پہاڑی راستہ تھا جو تنگ اور دشوار گذار گھاٹیوں پر مشتمل تھا لیکن نسبتاً مختصر تھا۔ اسلامی لشکر کو اِسی راستے سے واپس مدینہ جانا تھا۔ واپسی پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حسد و کینہ رکھنے والے چند بدبختوں نے منصوبہ بنایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہاڑ کی گھاٹی سے گذر رہے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی گہرے کھڈ میں گرا کر شہید کر دیا جائے۔ یہ لوگ لشکرِ اسلام میں ہی موجود تھے اور انھوں نے اسی لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ساتھ سفر کرنا تھا۔ خداوند متعال نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُن کی ناپاک سازش سے آگاہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ واپسی پر تمام لوگ میدانی راستہ اختیار کریں۔ پس لوگ میدانی راستے کی طرف مڑ گئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کو لے کر گھاٹی والے راستے پر چل دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دونوں پاپیادہ ساتھ چلیں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ناقے کی مہار تھام لی اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ اُسے پیچھے سے ہنکانے لگے اس طرح رسول

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۷۲، ۴۷۳

ابو الحسن المسعودی (متوفی ۳۴۶ھ)، التنبیہ والاشراف، ص ۲۳۶

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے اور پیچھے دو جاں نثار بطور محافظ مقرر ہو گئے۔ کچھ دُور چلنے کے بعد عقب سے گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ یہ وہی لوگ تھے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہوئے میدانی راستے کی بجائے گھاٹی والے راستے پر آرہے تھے اور یہ بدبخت اپنی ناپاک سازش کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہو گئے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اُنھیں واپس بھگاؤ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تعمیل ارشاد میں فوراً ایک لاٹھی لے کر پیچھے مڑے اور آنے والوں کے گھوڑوں کے منہ پر مار مار کر اُنھیں پیچھے کی طرف موڑنے لگے۔ اُن منافقوں کے دل میں چور تھا اور وہ ایک گھناؤنے منصوبے پر عمل کرنے آئے تھے اس لیے اُنھوں نے ڈھاٹے باندھ کر منہ چھپا رکھے تھے۔ حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کی لٹھ بازی سے اُنھیں اندازہ ہو گیا کہ ہماری سازش بے نقاب ہو گئی ہے پس وہ گھبرا کر واپس بھاگے اور دوسرے راستے سے جاتی ہوئی فوج میں شامل ہو گئے۔ حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیزی سے آگے بڑھنے کی ہدایت فرمائی اور اُن سے پوچھا، ''کیا تم نے اُنھیں پہچانا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اُنھوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اس لیے پہچانے نہیں گئے، البتہ میں فلاں فلاں شخص کے گھوڑوں کو ضرور پہچانتا ہوں۔''

فرمایا، ''جانتے ہو اُن کا منصوبہ کیا تھا؟''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ''نہیں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!''

فرمایا، ''اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے آئیں اور جہاں راستہ تنگ ہو اور موقع ملے تو وہ مجھے کھڈ میں گرا (کر شہید کر) دیں۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! پھر تو وہ لوگ واجب القتل ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو اُن کی گردنیں مارنے کا حکم صادر فرمائیں۔''

فرمایا، ''نہیں! مجھے یہ پسند نہیں کہ لوگوں میں یہ مشہور ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں۔'' پھر فرمایا، ''تم دونوں اُن کے نام راز میں رکھنا اور اعلان مت کرنا۔''

مشہور عالم دین اور مؤرخ علامہ علی نقی نقوی لکھتے ہیں کہ تاریخ کے علاوہ کتب رجال اور حالاتِ صحابہؓ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ اس واقعے کی وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ''صاحبِ سِر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' یعنی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز داں کہے جاتے تھے اور اُنھوں نے عمر بھر نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اُن لوگوں کی شخصیت کو ظاہر نہیں کیا۔ آپ آگے لکھتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ عبداللہ بن اُبی راس المنافقین کی پارٹی کے افراد نہیں تھے جن کا نفاق عموماً طشت از بام ہو چکا تھا بلکہ اُن میں کچھ معزز شخصیتیں شامل تھیں جن پر پردہ پڑا ہُوا تھا اور تاریخ میں تابعین میں سے ایک بڑے وسیع النظر محدث اور مؤرخ اعمش کا صراحتاً یہ قول ہے کہ وہ بارہ (۱۲) آدمی تھے جن میں سات (۷) قریش میں سے تھے۔''[۱] وہ جماعت، تاریخ میں ''اصحابِ عقبہ'' یعنی گھاٹی والے اصحاب کے نام سے مشہور ہے۔[۲]

ہذا طِیّبہ

تبوک کے طویل، کٹھن اور صبر آزما سفر کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو چہرۂ اقدس سے مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ مدینہ سے اتنی لمبی جدائی اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی چنانچہ مدینہ طیّبہ میں داخل ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا، ''هَذَا طَيِّبَة'' (یہ ہے پاک سرزمین) اور کوہِ اُحد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ''اس پہاڑ کو ہم سے محبت ہے اور ہمیں اس سے ہے۔''[۳]

راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کی موت

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو راس المنافقین عبداللہ بن اُبی واصلِ جہنم ہو گیا اور خداوند متعال نے مسلمانوں کو ایک زہریلے مارِ آستیں سے نجات عطا فرمائی۔

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۲۷۴، ۳۷۴۔ علامہ طبرسی (متوفی ۵۴۳ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۱۶

[۲] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۳۷۴۔ ابوالحسن مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ)، التنبیہ والاشراف ص ۲۳۶

[۳] علامہ طبرسی (متوفی ۵۴۳ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۳۱

اُس شیطان کے دل میں یثرب کا بادشاہ بننے کی آرزو تھی جو بدلتے ہوئے حالات کے باوجود ختم نہ ہوئی بلکہ حسرت بن کر اس کے دلِ ناپاک میں اس طرح جاگزیں ہوگئی کہ وہ ہمہ وقت اس طلب و جستجو میں رہنے لگا کہ کسی طرح خانہ جنگی شروع ہوجائے یعنی انصار اور مہاجرین میں ٹھن جائے اور انصار اُنھیں مدینہ سے نکال باہر کریں تاکہ اُس کے بادشاہ بننے کے امکانات پھر روشن ہوجائیں۔ چنانچہ کبھی وہ انصار کو بھڑکاتا تھا اور کبھی مہاجرین کو ہوا دیتا تھا اور جب کامیابی نہیں ہوتی تھی تو یہودیوں کو ورغلاتا تھا اور مشرکینِ مکّہ کو بھی اُکساتا تھا۔ اُس نے قدم قدم پر سازشوں کے جال بچھائے لیکن جب خالقِ عالم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عزت و بلند مرتبہ اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنا چاہے تو عبداللہ بن اُبیّ جیسے شیاطین کی کیا حیثیت تھی کہ کسی مذموم مقصد میں کامیاب ہوسکتے۔

مسجد ضرار کی تخریب کاری

(۹ ہجری/نومبر ۶۳۰ء)

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہو رہے تھے تو چند چرب زبان منافق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم نے بیماروں اور کمزوروں کو موسم کی سختیوں سے پناہ دینے کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، ہماری آرزو ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں قدم رنجہ فرما کر اپنی نماز سے اسے مشرف کریں اور ہم پر احسان فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں جواب دیا کہ اس وقت تو میں مصروفِ جہاد ہوں اگر واپس آیا اور خدا نے چاہا تو وہاں پر نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبوک کی مہم سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہوئے موضع ذی آوان پہنچے تو وہ منافق پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا وعدہ یاد دلاتے ہوئے پھر وہی درخواست پیش کی۔

اُس وقت جبرائیل علیہ السلام یہ آیات لے کر حاضر ہوئے:[1]

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸"

(اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنائی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں اور مؤمنین میں تفرقہ ڈالیں اور اُن لوگوں کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کر چکے ہیں، وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہوں، بے شک وہ مسجد (مسجد قبا/مسجد نبوی) جس کی اوّل دن سے تقویٰ و پرہیزگاری پر بنیاد رکھی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ اُس میں کھڑے ہوں، وہاں ایسے لوگ ہیں جو پاک وصاف رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک وصاف رہنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔)

پس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالک بن الدخشم، مالک بن عدی اور دیگر لوگوں کو بلایا اور حکم دیا کہ اُس عمارت کو جسے ان ظالموں نے بنایا ہے اُکھاڑ کر پھینک دو۔ فوراً تعمیل ارشادِ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگئی اور اُس نام نہاد مسجد کو مسمار کر دیا گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُس جگہ کو اُکھاڑ پھینکنے کے بعد مدتوں وہاں سے دھواں نکلتا رہا۔ وہ جگہ رفتہ رفتہ کُوڑا گھر بن گئی اور وہاں ہر قسم کی پلیدی ونجاست ڈالی جانے لگی۔[2] وہ جگہ مسجد قبا کے سامنے تھی اور اُس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے پہلے وہاں قبیلہ بنی خزرج کے اکابرین میں سے ایک شخص ابو عامر راہب رہتا تھا۔ اُس نے دین نصرانیت اختیار کر رکھا تھا، توریت وانجیل کے علم کا ماہر تھا اور عبادت وریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ وہ اہل مدینہ کے سامنے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] سورۃ التوبۃ، آیت ۱۰۷، ۱۰۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۱۷

اوصاف وشمائل بیان کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ اوصاف جن وملک سے سُن رکھے ہیں۔ لیکن جب نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور شہر کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شیفتہ وشیدا ہو گئے تو وہ شقی الباطن شخص اس وجہ سے حسد وکینہ میں مبتلا ہو گیا۔ اُس کے دل میں دُنیاوی جاہ وحشمت اور سرداری کی اُمنگ پیدا ہوگئی اور وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے جتن کرنے لگا اور اُنھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت وپیروی سے روکنے لگا۔ جب لوگوں نے اُس سے کہا کہ تُو ہی تو ہمیں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ حمیدہ سنایا کرتا تھا اور ہمارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت خوانی کیا کرتا تھا تو اب کیا ہُوا جو ہمیں اُن کی پیروی سے روکتا ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی صفات میں بیان کیا کرتا تھا، یہ تو کوئی اور ہی ہیں جو اُن کے مشابہ ہیں اور اُن کا ظہور تو ابھی ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے بلایا اور اسلام کی دعوت دی مگر اُس نے قبول نہ کی اور راہِ عناد وسرکشی اختیار کرلی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد وہ مکّہ مکرمہ چلا گیا اور قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف خوب بھڑکایا۔ غزوۂ اُحد میں کفّار کی طرف سے سب پہلا تیر چلانے والا بھی یہی بدبخت تھا اور اسی وجہ سے مسلمان اسے فاسق کہا کرتے تھے۔ غزوۂ اُحد کے بعد وہ روم بھاگ گیا۔ بروایتے وہ جنگ حنین میں بھی تھا اور وہاں سے ہرقل کی طرف فرار ہو کر اُس کا ملازم ومقرب بن گیا۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ ہرقل سے ایک لشکر لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف جنگ کرنے نکلے لیکن ایسی کوئی صورت نہ بن آئی پھر اُس نے وہاں سے مدینہ کے منافقوں کو خط لکھا کہ تم مسجد قبا کے مقابل اپنے محلے میں میرے لیے ایک مسجد بناؤ تاکہ میں واپس آکر وہاں بیٹھوں اور افادۂ علوم میں مشغول ہو جاؤں۔ وہ مسجد میرے اور تمھارے درمیان کمین گاہ کی طرح ہوگی تاکہ وہاں جمع ہو کر سوچ بچار اور صلاح مشورہ کیا کریں۔ پس منافقوں نے اُس مسجد کی تعمیر شروع کردی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تبوک سے واپسی تک مکمل ہو چکی تھی۔ [۱]

---

[۱] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۱۶، ۴۱۷

خانہ کعبہ میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی، ایک تاریخی اعلان

(ذیقعد ۹ ہجری/فروری مارچ ۶۳۱ء)

سنہ ۹ ہجری میں سورۃ التوبہ جسے سورۃ بَرَآءَۃ بھی کہتے ہیں نازل ہُوا جس میں اللہ ربُ العزت نے مسجد الحرام میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی لگادی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہُوا:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۸﴾'' (اے ایمان والو! مشرکین سراسر ناپاک ہیں سو وہ اس سال (سنہ ۹ ہجری) کے بعد مسجد الحرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں، اور اگر تمھیں ان کی آمد ورفت کے بند ہونے سے تنگدستی کا اندیشہ ہے تو عنقریب خدا اپنے فضل وکرم سے تمھیں تونگر بنا دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔ سورۃ التوبہ، آیت ۲۸)

تاریخ وحدیث کی متفق علیہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس سورۃ کی آیات کو پہلے حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کیا اور پھر پیغامِ ربانی کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے واپس لے کر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے حوالے کیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس میں نام کی صراحت تھی کہ ان آیات کو آپ پہنچائیں یا علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔[۱]

تاریخ یعقوبی میں ہے، ''اور اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کو سُوْرَۃ بَرَآءَۃ کے ساتھ (مکہ) بھیجا جسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابوبکرؓ سے لے لیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں، لیکن جبرائیلؑ نے مجھے بتایا ہے کہ اسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل کا کوئی شخص پہنچائے۔ پس، آپ نے (یعنی حضرت علی علیہ السلام نے) اُسے اہلِ مکّہ کو سُنایا اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اُسے زمزم کے حوض پر سُنایا... الخ۔[۲]

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۸۷۔ ۴۔ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ ۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۳۱

[۲] ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، (نفیس اکیڈمی، کراچی) ج ۲ ص ۱۱۹

مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں، ''درمیان ۹ ہجری کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو واسطے ادائے حج کعبہ شریف کے ہمراہ تین سو مرد کے روانہ فرمایا اور اپنی طرف سے بیس اُونٹ واسطے قربانی کے ساتھ دیے تھے۔ ابھی حضرت ابابکرؓ حلیفہ ہی تک پہنچے تھے کہ اُن کی طرف حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو یہ فرما کر روانہ فرمایا کہ تم خانہ کعبہ میں چند آیات سورۃ برأت کی پڑھ کر لوگوں کو سنانا اور یہ منادی کرنا کہ اب کے سال کوئی مشرک اور بدن سے ننگا حج کرنے کو نہ آئے۔ یہ بات سُن کر حضرت ابوبکرؓ راہ ہی سے مراجعت کر کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا میرے بعد کوئی نیا حکم آسمان سے نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ نہیں کوئی نیا حکم صادر نہیں ہُوا بلکہ بات یہ ہے کہ عہدہ احکام کے پہنچانے کا میرا ہے اور اگر میں نہ ہوں تو کوئی شخص جو قریب میرا ہو وہ ادا کرے۔''[۱]

ایک مصری مؤرخ محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں، ''حضرت علی علیہ السلام مجمع میں کھڑے ہوئے جب کہ وہ لوگ مناسک حج ادا کر رہے تھے تو آپ نے سورۃ توبہ کی ان تمام آیتوں کو پڑھ کر سنایا۔ جب تلاوت ختم کر چکے تو ذرا دیر رُک کے پھر بلند آواز سے مجمع کو مخاطب کیا (اور لوگوں کے متوجہ ہونے پر فرمایا)، ''اے لوگو! یقین مانو کہ بہشت میں کوئی کافر نہیں جائے گا اور اس سال کے بعد سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور اب خانہ کعبہ کا کوئی برہنہ (شخص) طواف نہیں کرے گا (اس سے پہلے مشرکین خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر بھی کیا کرتے تھے۔ مؤلف) اور جس کا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی معاہدہ ہو تو وہ بس اتنی مدت تک کے لیے تھا۔''

حضرت علی علیہ السلام نے چیخ چیخ کر یہ حکم سنائے پھر اُن تمام لوگوں کو آج کے بعد سے چار مہینے کی مہلت دی کہ ہر گروہ اپنے مقام اور اپنے ملک تک، جہاں سے وہ آئے تھے وہاں واپس پہنچ جائے اور بس آج کے دن (تک) پھر (اس کے بعد) کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور کسی نے برہنہ حالت میں کعبہ کا طوف نہیں کیا اور آج کے دن سے وہ بنیاد قائم ہوئی جس پر اسلامی حکومت کی عمارت قائم ہوئی۔'' پھر لکھتے ہیں، ''حضرت علی علیہ السلام نے سورۃ برأت کی

---

[۱] عمادالدین ابوالفدا (متوفی ۱۳۳۱ء) تاریخ ابوالفدا (ناشر حق برادرز لاہور)، ص ۸۹

ان آیات کو صرف (اس مجمع میں) پڑھ دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ گھروں پر جا جا کر لوگوں کے سامنے بھی ان آیتوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے رہے اور اس پر تمام روایات متفق ہیں۔[1]

فتوحاتِ اسلامی کے بیرونی قبائل پر اثرات

مؤرخین لکھتے ہیں کہ پے در پے فتوحاتِ اسلامی کی وجہ سے سے اطراف کے قبیلوں پر اسلام کی دھاک بیٹھ گئی جس کی وجہ سے کئی ممتاز اشخاص دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

قبیلہ بنی ثقیف کا ایک معزز شخص عروہ بن مسعود ثقفی مسلمان ہوگیا اور اُس کی دیکھا دیکھی دس اور عمائدین بھی مسلمان ہو گئے جس کا اثر اُن کے پورے قبیلے پر پڑا۔ نجد کے سرکش اور ممتاز لوگوں میں سے بنی تمیم کے ممتاز روسا عطارد بن حاجب، زرقان بن بدر، قیس بن عاصم، عیینہ بن حصن فزاری اور عمرو بن ایتم بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور بنی طے کا ایک وفد آیا جس میں زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے۔[2]

حاتم طائی کے بچّوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص اکرام

بروایتِ ابن اسحاق، حاتم طائی کی بیٹی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے باپ حاتم کی ضرب المثل فیاضی کی بنا پر اُسے بہت عزت واحترام سے نوازا اور غیر معمولی مراعات عطا فرمائیں جس سے متاثر ہو کر اُس نے اپنے بھائی عدی بن حاتم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے عزت بخشی اور بیٹھنے کے لیے ایک گدّا اپنے دست مبارک سے اُس کی طرف بڑھایا۔ مؤرخین نے صراحتاً لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود زمین پر بیٹھے اور اُسے مسند پر بٹھایا۔[3] بروایتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف وکرم سے ایسا متاثر ہُوا کہ اسلام قبول کر لیا۔[4]

---

[1] محمد حسین ہیکل، حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۵۷ تا ۴۵۸

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۸۰

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۸۰ بحوالہ تاریخ طبری، ص ۱۷۱۰۔ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲ ص ۲۰۵

[4] ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، حصّہ اوّل ج ۲ ص ۳۴۵

مباہلہ

فتوحاتِ اسلامی کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں وفود کی آمد کا جو سلسلہ شروع ہُوا تھا اُسی کی ایک کڑی اہلِ نجران کا وفد بھی تھا جس کی وجہ سے واقعۂ مباہلہ پیش آیا۔ یہ واقعہ متواترات سے ہے یعنی اسے خاصہ وعامہ نے تفاسیر، تواریخ اور احادیث کی کتب میں اس کی خصوصیات میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ درج کیا ہے۔

شیخ طبرسی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نصارائے نجران کے شرفا کی ایک جماعت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئی۔ اُس جماعت کے سربرآوردہ تین اشخاص تھے، ایک عاقب جو اُن کا سردار اور صاحبِ علم ورائے تھا دوسرا عبدالمسیح جس سے نجران کے ہاں تمام مشکل اُمور میں مدد لی جاتی تھی اور تیسرا ابوحارثہ جو اُن کا پیشوا اور عالم تھا۔ جب وہ جماعت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے جارہی تھی تو ابوحارثہ ایک خچر پر سوار تھا جسے اُس کا بھائی کرز بن علقمہ ہنکارہا تھا۔ کرز نے چلتے چلتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں (گستاخی کرتے ہوئے) نازیبا الفاظ کہے۔ ابوحارثہ نے اُسے ڈپٹ کر کہا، ''جو تُو نے کہا وہ تیرے لیے ہو۔'' کرز حیرت سے بولا، ''اے بھائی! کیوں؟'' ابوحارثہ گویا ہُوا، ''یہ وہی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔'' کرز نے کہا، ''پھر تم اُن کی متابعت کیوں نہیں کرتے؟'' اُس نے کہا، ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ گروہِ نصاریٰ نے ہمارے ساتھ کیا سلوک روا رکھا ہُوا ہے؟ اُنھوں نے ہمیں اپنا بزرگ قرار دیا ہے، ہماری عزت افزائی کی ہے اور ہمیں مالدار بنایا ہے۔ وہ اِن (رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پیروی پر راضی نہیں اس لیے اگر ہم اِن کی اطاعت کریں گے تو وہ ہم سے سب کچھ واپس لے لیں گے۔'' کرز کے دل میں یہ بات گھر کر گئی چنانچہ جب وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو مسلمان ہوگیا۔[1]

وہ لوگ نمازِ عصر کے وقت مدینہ پہنچے تھے۔ وہ نفیس ریشمی ملبوسات زیب تن کیے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲، ص ۷۵۳ تا ۷۵۵ بحوالہ طبرسی

ہوئے تھے اس لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن پر کوئی توجہ نہ دی، سلام کا جواب دیا نہ کوئی گفتگو فرمائی۔ یہ بے اعتنائی دیکھ کر وہ صحابہ کرامؓ کے پاس گئے اور کہا کہ تمھارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہمیں خط لکھ کر بلوایا، ہم نے اُن کی خواہش منظور کی اور چلے آئے مگر اُنھوں نے ہمارے سلام کا جواب دینا گوارا کیا نہ ہم سے ہم کلام ہونا۔ اصحابؓ اُن کو لے کر امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پاس آئے اور اُن کی شکایت گوش گذار کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ تمھاری یہ نمود و نمائش ہے۔ تم یہ ریشمی ملبوسات اور سونے کی انگوٹھیاں وغیرہ اُتار کر عام لباس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔[1] چنانچہ اُن لوگوں نے ایسا ہی کیا اور معمولی لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا،

''خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، جب یہ لوگ پہلی بار میرے پاس آئے تھے تو ان کے ساتھ شیطان بھی تھا اس وجہ سے میں نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔''

الغرض، اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بات چیت شروع کی اور تمام دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوالات اور مناظرات کرتے رہے۔ آخر میں اُن کے ایک عالم نے کہا،

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

فرمایا، ''وہ خدا کے بندے اور اُس کے رسول تھے۔''

اُنھوں نے کہا، ''کیا کبھی کوئی بچّہ بغیر باپ کے پیدا ہُوا ہے؟''

اُس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:[2]

''اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾''

---

[1] ابن قیم زاد المعاد، ج ۴ ص ۳۶

[2] سورۃ آل عمران، آیت ۵۹

(بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی سی ہے کہ اللہ نے اُنھیں مٹی سے پیدا کیا پھر حکم دیا کہ ہو جا سو ہو گیا۔) اُنھوں نے اس دلیل کو ماننے سے انکار کر دیا اور بے جا بحث و مباحثہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ برابر انکار کرتے چلے گئے اور جب اُن کا انکار حد سے تجاوز کر گیا تو خالقِ دو عالم نے یہ حکم نازل فرمایا:[۱]

''فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ؀ '' (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صحیح) علم آجانے کے بعد جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حُجّت بازی کریں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُن سے کہیں کہ آؤ ہم اپنے اپنے بیٹوں، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔) اس آیت کو آیتِ مباہلہ کہا جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفوس کو بلائیں اور تم اپنے نفوس کو پھر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

پس اگلا دن مباہلہ کے لیے مقرر ہُوا اور نصاریٰ کا وفد اپنی جائے قیام کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے ابو حارثہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھنا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی اولاد اور اہل بیت (علیہم السلام) کو لے کر آئیں تو عذابِ الٰہی سے ڈرنا اور اُن سے مباہلہ مت کرنا اور اگر وہ اپنے اصحاب اور پیروکاروں کے ساتھ آئیں تو پھر پروا مت کرنا اور مباہلہ کرنا۔

دوسرے روز جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دولت کدے پر تشریف لائے اور امام حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا، امام حسین علیہ السلام کو گود میں لیا، امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنے آگے آگے اور جناب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو

---

[۱] سورۃ آل عمران، آیت ۶۱

پیچھے پیچھے لیے ہوئے مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقامِ مباہلہ پر نصاریٰ کے سامنے پہنچے تو ابوحارثہ نے کسی سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ ہیں؟ کہا گیا کہ جو شخص آگے آگے آرہا ہے ان کا چچازاد بھائی، ان کی بیٹی کا شوہر اور دُنیا میں ان کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور دونوں لڑکے اُسکے فرزند ہیں اور وہ بی بی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزیز ترین بیٹی فاطمہ (علیہا السلام) ہیں۔ المختصر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور مباہلہ کے لیے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ اُدھر عاقب اور عبدالمسیح وغیرہ نے اپنے لڑکوں کو ساتھ لیا اور مباہلہ کے لیے آنا چاہا تو ابوحارثہ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو اس طرح بیٹھے ہیں جیسے انبیا مباہلہ کے لیے بیٹھتے ہیں، اگر وہ ہمارے ساتھ مباہلہ کریں گے تو رُوئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا۔ پس وہ لوگ مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے اور واپس ہو گئے۔ [1]

مشکوٰۃ میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے، ''....آیتِ مباہلہ کے نازل ہونے پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے عزیز ترین اور قریب ترین اہل بیت (علیہم السلام) کو لے کر مباہلہ کے لیے اس طرح نکلے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہم السلام) کو جو اُس وقت بہت چھوٹے چھوٹے تھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے گود میں اُٹھا رکھا تھا، حضرت فاطمہ (علیہا السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پیچھے تھیں اور حضرت علی (علیہ السلام) حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے پیچھے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اُن سے فرمایا کہ میں جب مباہلہ میں دُعا کروں تو تم سب مل کر آمین کہنا۔ مسیحیوں کے پیشوا کی نظر اُن نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بے اختیار بول اُٹھا کہ تم پر افسوس ہے میں تو ان نورانی چہروں کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ اللہ سے یوں درخواست کریں کہ پہاڑ کو اُس کی جگہ سے اکھاڑ دے تو بالیقین اللہ (ان کی درخواست قبول

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۲ ص ۷۵۳ تا ۷۵۵
علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۸۳ تا ۴۸۴

کرکے) پہاڑ کو اُس کی جگہ سے اکھاڑ دے گا۔ پھر اُس نے پُرزور انداز میں اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اُکھاڑ دیے جاؤ گے۔ آخر کار اُن مسیحیوں نے حضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا اور جزیہ قبول کرکے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیاسی اطاعت پر مجبور ہوئے.... الخ۔''[۱]

ابوحارثہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مباہلہ مت کیجیے اور ہمارے ساتھ صلح کرلیجیے اُن اشیا پر جن کے ادا کرنے کی طاقت ہم میں ہو۔ چنانچہ اُنھوں نے جزیہ قبول کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کرلی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ہلاکت اُن کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بےشک سب کے سب بندر اور سؤر ہوجاتے، تمام وادی آگ سے بھر جاتی اور وہ سب اس میں جل کر خاکستر ہوجاتے۔ حق تعالیٰ تمام اہلِ نجران کو نیست و نابود کردیتا یہاں تک کہ اُن کے درختوں پر کوئی پرندہ بھی باقی نہ رہتا اور سال ختم ہونے سے پہلے تمام نصاریٰ ختم ہوجاتے۔'' بروایتے، عاقب وغیرہ تھوڑے عرصے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے۔[۲]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[۱] مشکوٰۃ، جلد پنجم، حدیث نمبر ۶۸ ۷

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، جلد دوم ص ۷۵۵

آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء

رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کے لیے جن چار ہستیوں کو اپنے ساتھ لے کر گئے اُن ہی کو اہل بیتِ رسول علیہم السلام کہا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مِلا کر ان ہی پانچ ہستیوں کو اہلِ اسلام میں ''پنجتن پاک'' کہا جاتا ہے۔ ان کی شان میں متعدد آیاتِ قرآنی کا نزول ہُوا اور بہت سی احادیث مبارکہ بیان کی گئیں۔ ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ جس میں بڑی وضاحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہستیوں کو اپنی اہل بیت (علیہم السلام) قرار دیا حدیثِ کساء کے عنوان سے مشہور ہے۔

یہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے جس کی مستند روایات متعدد کتب میں موجود ہیں۔ اس حدیث کو حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام اور دیگر کئی لوگوں نے روایت کیا ہے جن میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اُمہاتُ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نمایاں ہیں۔ یہ حدیث صحیح مسلم، صحیح ترمذی، مسند احمد بن حنبل، تفسیر طبری، طبرانی، خصائص نسائی اور دیگر کئی کتابوں میں موجود ہے، اس کے علاوہ اسے ابنِ حبان، حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ یہ حدیث قرآن حکیم کی ایک آیت کی وجہ نزول بھی بیان کرتی ہے جسے آیتِ تطہیر کہتے ہیں۔

یہ روایت کافی لمبی ہے جس کو یہاں مختصراً لکھا جا رہا ہے۔ یہ تمام کتابوں میں مذکور ہے یہاں تک کہ اکثر میں حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے نام گرامی کے ساتھ ''سلام اللہ علیہا'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ روایت یوں ہے:

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لائے اور ایک بڑی یمنی چادر اوڑھ کر آرام فرمانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔

تھوڑی دیر میں نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت حسن بن علی (علیہ السلام) تشریف لائے تو اُنھوں نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا کہ مجھے اپنے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ پھر اُنھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور اُنھیں اپنے ساتھ چادر اوڑھا دی۔ کچھ دیر بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے نواسے حضرت حسین بن علی (علیہ السلام) تشریف لائے۔ اُنھوں نے بھی نانا جان کی موجودگی محسوس کی، سلام عرض کیا اور چادر اوڑھ لی۔ پھر حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ (علیہ السلام) تشریف لائے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں بھی اپنے ساتھ چادر اوڑھا دی۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام فرماتی ہیں کہ میں بھی اجازت لے کر چادر میں داخل ہو گئی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر کو پکڑا دائیں ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، ''الٰہی! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں، یہ میرے خاص لوگ ہیں، اِن کا گوشت میرا گوشت اور اِن کا خون میرا خون ہے۔ جو انھیں ستائے وہ مجھے ستاتا ہے اور جو انھیں رنجیدہ کرے وہ مجھے رنجیدہ کرتا ہے۔ جو اِن سے لڑے میں اُس سے لڑوں گا اور جو اِن سے صلح کرے میں اُس سے صلح کروں گا۔ میں اِن کے دشمن کا دشمن اور اِن کے دوست کا دوست ہوں کیونکہ یہ مجھ سے ہیں اور میں اِن سے ہوں۔ اے خدا! تو اپنی عنایتیں اور اپنی برکتیں اور اپنی رحمتیں اور اپنی بخششیں اور اپنی خوشنودی میرے لیے اور اِن کے لیے قرار دے۔ اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ بہت ہی پاک۔'' یہ روایت مزید آگے چلتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا کے بعد قرآن مجید کی یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی جسے آیتِ تطہیر کہا جاتا ہے:[1]

''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿٣٣﴾''

(اے اہل بیت! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس (آلودگی/نجاست) کو دُور

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

رکھے اور تمھیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔)

اس روایت کو کئی علما نے مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے ذیل میں بھی نقل کیا ہے۔[1] یہ روایت صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے سوائے اس فرق کے کہ اُنھوں نے یمنی چادر کی جگہ اُونٹ کے بالوں سے تیار کردہ سیاہ چادر کا ذِکر کیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (متوفی ۲۴۱ھ)، مسند احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۳۳۱
ابوعبدالرحمٰن احمد ابن شعیب النسائی (متوفی ۳۰۳ھ)، الخصائص (نسائی)، ص ۴
محمد ابن جریر طبری (متوفی ۸۳۸ء)، تفسیر طبری (مطبوعہ مصر)، ج ۲۲ ص ۵
ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ)، سنن الکبریٰ، ج ۲ ص ۱۴۹
صحیح مسلم، حدیث ۵۵۹۵
ولی الدین محمد ابن عبداللہ الخطیب الامری تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح
فخرالدین الرازی (متوفی ۱۲۰۹ء)، تفسیر معروف
جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)، دُرِ منثور
محمد ابن عبداللہ نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ)، مستدرک حاکم، ج ۲ ص ۴۱۶،۱۴۶،۱۵۹،۱۷۲
حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ھ)، کتاب الفردوس
حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)، تاریخ بغداد، ج ۱۰
محمود ابن عمر الزمخشری (متوفی ۵۳۸ھ)، کشاف (زمخشری)، ج ۱ ص ۱۹۳
علی ابن حسین ابن عبداللہ ابن عساکر دمشقی (متوفی ۵۷۱ھ)، تاریخ دمشق (عساکر)
یوسف الواعظ ابن عبداللہ ابن جوزی، تاریخ خواص عامہ از ابن جوزی
شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ)، تلخیص المستدرک (ذہبی)
شیخ احمد ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، صواعق محرقہ
علامہ شیخ محمد ابن علی شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ)، فتح القدیر
شہاب الدین محمود آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ)، روح المعانی

اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر خطبہ دے رہے تھے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، "اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب ہے دوسرے میری عترت یعنی اہل بیت ہیں"۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث زید بن حسن سے سعید بن سلیمان اور متعدد اہلِ علم نے روایت کی ہے اور اس باب میں ابوذر، ابوسعید خدری، زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید سے بھی احادیث آئی ہیں۔ [1]

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "میں تم میں ایسی چیز چھوڑنے والا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے اور وہ اللہ کی کتاب ہے گویا وہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور دوسری میری عترت (اہل بیت علیہم السلام) ہیں یہ دونوں ہرگز جُدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ تو تم دیکھ لو کہ ان دونوں کے سلسلے میں تم میری کیسی جانشینی کرتے ہو؟ یعنی دیکھیں کہ میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ،

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿٣٣﴾"

(اے اہل بیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر نجاست کو تم سے دُور رکھے اور تمھیں پوری طرح پاک رکھے) [3] حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

[2] جامع ترمذی، (کتاب: فضائل ومناقب، باب: اہل بیت کے مناقب کا بیان) حدیث نمبر ۳۷۸۸

[3] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہم السلام) کو بلایا اور اُن پر ایک چادر ڈال دی۔ علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سب پر چادر ڈالنے کے بعد کہا، ''اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت (علیہم السلام) ہیں اِن سے ناپاکی کو دُور رکھ اور انھیں اچھی طرح پاک رکھ۔ اس پر حضرت اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بھی تو اِن ہی میں سے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو اور بھلائی پر ہو۔'' اس ضمن میں حضرت اُمّ سلمہؓ، معقل بن یسار، ابوحمرا اور انس سے بھی یہی روایت ہے۔[۱]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ سے محبت کرو اس لیے کہ وہ تمھیں اپنی نعمتوں میں سے کھلاتا ہے اور مجھ سے اللہ کی محبت کی وجہ سے محبت کرو اور اسی طرح میرے اہلِ بیت (علیہم السلام) سے میری وجہ سے محبت کرو۔[۲]

مفہومِ اہل بیت (علیہم السلام)
اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی درخواست کی روشنی میں

سورۃ الاحزاب کی مندرجہ بالا آیت کریمہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری ایامِ حیات میں اُس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو جمع کر کے ایک چادر اوڑھا دی اور بارگاہِ احدیت میں عرض کیا کہ خدایا! یہی میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے گذارش کی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میری جگہ کہاں ہے؟ فرمایا، ''تم منزل خیر پر ہو۔'' یا بقولے یہ فرمایا، ''تمھارا انجام بخیر ہے۔'' دوسری روایت کے مطابق حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، ''کیا میں اہل بیت (علیہم السلام) میں سے نہیں ہوں؟'' تو فرمایا، ''تم خیر پر ہو۔''

---

[۱] جامع ترمذی، (کتاب: فضائل ومناقب، باب: اہل بیت کے مناقب کا بیان)، حدیث نمبر ۳۷۸۷

[۲] جامع ترمذی، (کتاب: فضائل ومناقب، باب: اہل بیت کے مناقب کا بیان)، حدیث نمبر ۳۷۸۹

ایک اور روایت کی بنا پر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے چادر کا گوشہ اُٹھا کر داخل ہونا چاہا تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چادر کو کھینچ لیا اور فرمایا، ''تم خیر پر ہو۔''

حدیثِ کساء کا یہ واقعہ سند کے اعتبار سے یقینی اور دلالت کے اعتبار سے بالکل واضح ہے جس میں بالخصوص اہل بیت (علیہم السلام) کے موارِد (مقام و مرتبہ) کا تعین بھی کر دیا گیا ہے اور اس میں کسی طرح کے شک و شبے کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ عنوانِ اہل بیت (علیہم السلام) میں صرف یہی ہستیاں شامل ہیں کوئی اور نہیں حتیٰ کہ ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس میں شامل نہیں اگرچہ اُن کا مقام بھی بہت بلند ہے جیسا کہ ارشادِ پروردگارِ عالم ہوتا ہے:[1]

''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ'' (بیشک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام مومنین سے اُن کے نفس کے بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہیں اور اُن کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں)

اور دوسری جگہ ارشاد ہُوا:[2]

''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ...﴿۳۲﴾''

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویو! تم (عام) عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو...الخ)

واضح رہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل، مختلف مواقع اور مناسبات پر لفظ اہل بیت (علیہم السلام) کو ان ہی قرابتداروں کے لیے استعمال کرتے رہے جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی واضح اور بلیغ انداز میں اپنے ان قرابتداروں کو اُمت کا سیاسی، علمی اور اخلاقی قائد بنا دیا ہے۔ پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ حقیقی اسلام سے وابستہ رہنے اور ہر طرح کے انحراف و ضلال سے بچنے کے لیے اہل بیت (علیہم السلام) سے وابستہ رہیں کیونکہ دینِ حق کی عظیم منزل و منزلت تک پہنچنا قرآن و اہل بیت (علیہم السلام) سے تمسک کے بغیر ممکن نہیں۔

مسلمان مؤرخین اور محدثین نے اس عظیم الشان تاریخی واقعے کو اپنی کتب میں محفوظ کیا ہے اور بقول علامہ طباطبائی طاب ثراہ، اس سلسلے کی احادیث ستر (۷۰) سے زیادہ ہیں، جن میں

---

[1] سورۃ الاحزاب، آیت ۶

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۳۲

اہل سنت کی احادیث اہل تشیع کی احادیث کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ ان حضرات نے ابوسعید خُدری، واثلہ بن الاسقع، ابوالحمراء، ثوبان (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمتگار)، ابنِ عباس، عبداللہ بن جعفر، حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم) اور امام حسن علیہ السلام بن امام علی علیہ السلام سے تقریباً چالیس (۴۰) طریقوں سے روایات نقل کی ہیں جب کہ شیعہ حضرات نے امام علی، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام رضا (علیہم السلام)، ابولیلیٰ، ابوالاسود دوئلی، عمر ابن میمون اوردی، سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوذر اور حضرت اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہم) سے تیس (۳۰) سے کچھ زیادہ طریقوں سے نقل کی ہیں۔[۱]

اس سلسلے کی چند مشہور و معروف احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عطاء بن یسار نے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آیت ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳'' میرے گھر میں نازل ہوئی ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو طلب کر کے فرمایا، ''خدایا یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں''۔[۲]

۲۔ عطاء بن یسار سے یوں بھی روایت ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آیتِ مبارکہ، ''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳'' میرے گھر میں نازل ہوئی ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو طلب کر کے فرمایا کہ خدایا یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں۔ پھر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا میں اہل بیت (علیہم السلام) میں سے نہیں ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ''اَهْلِيْ خَيْر'' ہو اور یہ ''اَهْلِ بَيت'' ہیں۔ خدایا! میرے اہل زیادہ حقدار ہیں۔

(یہ الفاظ ''مستدرک'' میں اسی طرح ہیں لیکن علما کے نزدیک یہ غلط ہیں کیونکہ ''اَهْلِيْ خَيْر'' (خیر والے)

---

[۱] المیزان فی تفسیر القرآن ۳۱۱/۱۶

[۲] الحاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ)، مستدرک علی الصحیحین ۳ ص ۱۵۸

ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ)، سنن الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۱۴

کی بجائے اصل الفاظ "علیٰ خَیْر" (خیر پر) ہیں جس طرح کہ دیگر روایات میں وارد ہُوئے ہیں۔)

۳۔ ابوسعید خُدری نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آیتِ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا میں اہل بیت (علیہم السلام) میں سے نہیں ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا انجام خیر ہے اور تم ازواجِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں سے ہو۔[1]

۴۔ ابوسعید خُدری، حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو طلب کر کے اُن کے سروں پر ایک خیبری چادر اوڑھا دی اور فرمایا خدایا یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں لہٰذا اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھنا اور اس طرح پاک رکھنا جو تطہیر کا حق ہے۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ کیا میں اِن میں سے نہیں ہوں؟ تو فرمایا کہ تمھارا انجام بخیر ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق:

۵۔ ابوسعید خُدری نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی جب میں دروازے پر بیٹھی تھی .... الخ۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں اہل بیت (علیہم السلام) میں سے نہیں ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا انجام بخیر ہے اور تم ازواجِ رسول میں سے ہو، اُس وقت گھر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) تھے۔[2]

۶۔ ابوہریرہ نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ (علیہا السلام) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک پتیلی لے کر آئیں جس میں عصیدہ (حلوا) تھا اور وہ اُس کو ایک سینی میں رکھے ہوئے تھیں، اُنھوں نے اُسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے ابنِ عم (حضرت علی علیہ السلام) اور دونوں فرزند (حسنین کریمین علیہم السلام) کہاں ہیں؟ عرض کیا کہ گھر میں ہیں، فرمایا سب کو بلاؤ تو فاطمہ (علیہا السلام) نے گھر آ کر علی (علیہ السلام) سے کہا کہ

---

[1] علی ابن حسین ابن عبداللہ ابن عساکر دمشقی (متوفی ۵۷۱ھ)، تاریخ دمشق (عساکر) حالات امام حسن (علیہ السلام) ص ۷۰، ص ۱۲۷، حالات امام حسین (علیہ السلام) ص ۷۳، ص ۱۰۶۔ احمد بن علی خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ص ۹ حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر، ج ۳ ص ۵۲۳

[2] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری، ج ۲۲ ص ۷

آپ کو اور آپ کے دونوں فرزندوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب فرمایا ہے۔ اس کے بعد اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسے ہی سب کو آتے دیکھا تو بستر سے چادر اُٹھا کر پھیلا دی، پھر اُس پر سب کو بٹھایا اور (چادر کو) اطراف سے پکڑ کر اوڑھا دیا اور داہنے ہاتھ سے بطرف پروردگار (آسمان کی طرف) اشارہ کیا اور فرمایا، مالک! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں لہٰذا اِن سے رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھنا۔[1]

۷۔ حکیم بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے علی (علیہ السلام) کا ذِکر کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ آیتِ تطہیر اُن ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دینا۔ اتنے میں فاطمہ (علیہا السلام) آ گئیں تو میں اُنھیں روک نہ سکی، پھر حسن (علیہ السلام) آ گئے تو اُنھیں بھی نانا اور ماں کے پاس جانے سے روک نہ سکی، پھر حسین (علیہ السلام) آ گئے تو اُنھیں بھی منع نہ کر سکی اور جب یہ (تمام لوگ) ایک فرش پر بیٹھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر سب کے سروں پر ڈال دی اور فرمایا، ''خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں، اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں مکمل طور پر پاکیزہ رکھنا، پھر یہ آیت نازل ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اور میں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاں نہیں کی اور فرمایا کہ تمھارا انجام خیر ہے۔[2]

۸۔ شہر بن حوشب، جناب اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، حسن، حسین اور فاطمہ (علیہم السلام) پر چادر اوڑھا دی اور فرمایا کہ خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) اور میرے خواص ہیں لہٰذا اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں پاک و پاکیزہ رکھنا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں بھی اِن ہی میں سے ہوں؟ تو فرمایا کہ تمھارا انجام خیر ہے۔[3]

---

[1] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

[2] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

[3] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

۹۔شہر بن حوشب حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے یوں بھی روایت کرتے ہیں کہ بنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت فاطمہ (علیہا السلام) پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حسنین (علیہم السلام) کو لے کر آئیں تو آپ کے ہاتھ میں حسنین (علیہم السلام) کے واسطے ایک برمہ (پتھر کا برتن) تھا جسے سامنے لاکر رکھا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہ ابوالحسن (علیہ السلام) کہاں ہیں؟ فاطمہ (علیہا السلام) نے عرض کیا کہ گھر پر ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُنھیں بھی طلب کرلیا اور پانچوں حضرات بیٹھ کر کھانے لگے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس روز مجھے شریکِ طعام نہیں کیا حال آنکہ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سب کو ایک چادر میں جمع کرلیا اور دُعا کی کہ خدایا! اِن کے دشمن سے دشمنی کرنا اور اِن کے دوست سے دوستی فرمانا۔[۱]

۱۰۔ شہر بن حوشب نے بی بی اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے یوں بھی نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) سے فرمایا کہ اپنے شوہر اور فرزندوں کو بلاؤ اور جب سب آگئے تو اُن پر فدک کے علاقے کی ایک چادر اوڑھادی اور سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدایا! یہ سب آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں لہٰذا اپنی رحمت و برکات کو محمد وآل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حق میں قرار دینا کہ تُو قابلِ حمد اور مستحقِ مجد (عظمت) ہے۔ اس کے بعد میں نے چادر کو اُٹھا کر داخل ہونا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہاتھ سے چادر کھینچ لی اور فرمایا کہ تمھارا انجام بخیر ہے۔[۲]

۱۱۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ بن مغیرہ سے روایت ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ''آیتِ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو بلا کر لاؤں، چنانچہ میں نے سب کو بلا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دایاں ہاتھ علی (علیہ السلام) کے گلے میں ڈال دیا اور بایاں ہاتھ حسن (علیہ السلام) کے گلے میں، حسین (علیہ السلام) کو گود میں بٹھایا اور فاطمہ (علیہا السلام) کو سامنے، پھر دُعا کی، ''خدایا! یہ

---

[۱] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

[۲] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

میرے اہل اور میری عترت ہیں لہٰذا اِن سے رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھنا۔'' اور یہ بات تین مرتبہ فرمائی تو میں نے عرض کیا، ''اور میں؟'' تو فرمایا کہ ان شاء اللہ تم خیر پر ہو۔ (اس روایت میں راوی کا نام عبداللہ بن معین بھی آیا ہے جیسا کہ امالی کے بعض نسخوں میں پایا جاتا ہے)۔[1]

۱۲۔ عطا ابن ابی رباح کہتے ہیں کہ مجھ سے اُس شخص نے بیان کیا جس نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا تھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے گھر میں تھے اور فاطمہ (علیہا السلام) ایک ہانڈی لے کر آئیں جس میں ایک مخصوص غذا تھی۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اپنے شوہر اور بچّوں کو بھی بلاؤ اور جب سب آ گئے اور کھانا کھالیا تو ایک بستر پر لیٹ گئے جس پر خیبری چادر بچھی ہوئی تھی، اُس وقت میں حجرے میں مشغولِ نماز تھی۔ پھر آیتِ تطہیر نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس چادر کو سب کے اُوپر ڈال دیا اور ایک ہاتھ چادر سے باہر نکال کر آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، ''خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) اور میرے خواص ہیں، اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھ اور انھیں مکمل طور پر پاکیزہ رکھ۔ پھر فرمایا خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں اور میرے خواص ہیں، اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھ اور انھیں مکمل طور سے پاک و پاکیزہ رکھ۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اُس چادر میں سر ڈال کر گذارش کی کہ کیا میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا انجام خیر ہے، تمھارا انجام خیر ہے۔[2]

۱۳۔ عمرہ بنت افعلی کہتی ہیں کہ میں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آیتِ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی ہے جب گھر میں سات افراد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، علی، فاطمہ، حسن، حسین، جبرائیل اور میکائیل علیہم السلام۔ میں گھر کے دروازے پر تھی میں نے عرض کیا حضور

---

[1] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

[2] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں اہل بیت (علیہم السلام) میں نہیں ہوں؟ تو فرمایا کہ تم خیر پر ہو، تم ازواجِ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے ہو، اہل بیت علیہم السلام میں سے نہیں ہو۔[1]

۱۴۔ امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباواجداد کے حوالے سے امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جناب اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آیتِ تطہیر میرے گھر میں اُس دن نازل ہوئی ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی و فاطمہ وحسن و حسین (علیہم السلام) کو بلوایا اور جبرائیل (علیہ السلام) بھی آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خیبری چادر سب پر (علی وفاطمہ وحسن وحسین علیہم السلام پر) اوڑھا کر فرمایا کہ خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں مکمل طور سے پاک وپاکیزہ رکھنا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تم بھی ہم میں سے ہو اے جبرائیل ......الخ۔ پھر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اور میں بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت (علیہم السلام) میں سے ہوں۔'' یہ کہہ کر چادر میں داخل ہونا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،'' اپنی جگہ پر رہو، تمھارا انجام بخیر ہے اور تم ازواجِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہو۔'' اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس آیت کو پڑھیے، ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا'' کیونکہ یہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کے بارے میں ہے۔[2]

۱۵۔ صفیہ بنت شیبہ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ ایک صبح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ بالوں والی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ حسن (علیہ السلام) آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں بھی (چادر میں) داخل کرلیا، پھر حسین (علیہ السلام) آ گئے اور اُنھیں بھی (چادر میں) لے لیا،

---

[1] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

[2] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری ۲۲ ص ۷

اتنے میں فاطمہ (علیہا السلام) آئیں تو اُن کو بھی (چادر میں) شامل کرلیا اور تب علی (علیہ السلام) بھی آ گئے تو اُنھیں بھی (چادر میں) داخل کرلیا پھر آیتِ تطہیر کی تلاوت فرمائی۔ [1]

۱۶۔ عوام بن حوشب نے تمیمی سے نقل کیا ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہُوا تو اُنھوں نے یہ روایت بیان کی کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، حسن، حسین اور فاطمہ (علیہم السلام) کو بلایا اور فرمایا کہ خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں، اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھنا۔ [2]

۱۷۔ جمیع بن عمیر کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ میری والدہ نے اُن سے پوچھا کہ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت علی (علیہ السلام) کے ساتھ کیسی تھی؟ اُنھوں نے کہا وہ تمام مَردوں میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) سب سے زیادہ محبوب تھے اور میں نے خود دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں اور فاطمہ وحسن وحسین (علیہم السلام) کو اپنی ردا میں داخل کر کے فرمایا، ''خدایا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں، اِن سے ہر رِجس کو دُور رکھنا اور انھیں مکمل طور پر پاک و پاکیزہ رکھنا۔'' اس کے بعد میں نے چاہا کہ میں بھی چادر میں داخل ہو جاؤں مگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اہل بیت (علیہم السلام) میں سے نہیں ہوں؟ تو فرمایا کہ تم خیر پر ہو، بیشک تم خیر پر ہو۔ [3]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری، ۲۲ ص ۷

[2] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری، ۲۲ ص ۷

[3] ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تفسیر طبری، ۲۲ ص ۷

اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا

اہل بیت رسول علیہم السلام سے بغض وعداوت رکھنے والا بارگاہِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بارگاہِ خداوندمتعال میں مغضوب ہے۔ ایسے شخص کی دُنیا بھی برباد ہے اور آخرت بھی اور یقیناً اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس پر متعدد روایات گزشتہ باب میں حدیثِ کساء کے ذیل میں نقل کی جاچکی ہیں تاہم حدیث کساء کے علاوہ اور مواقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا۔ ان میں سے دو مشہور و معروف احادیث جو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہم السلام) سے فرمایا جس سے تم لڑو گے میری بھی اُس سے لڑائی ہوگی اور جس سے تم صلح کرو گے میری بھی اُس سے صلح ہوگی۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ”میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خیمے میں قیام فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عربی کمان پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور خیمے میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) بھی موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! جو (اِن) اہلِ خیمہ سے صلح کرے گا میری بھی اُس سے صلح ہوگی اور جو اِن سے لڑے گا میری بھی اُس سے لڑائی ہوگی اور جو اِن کو دوست رکھے گا میری بھی اُس سے دوستی ہوگی۔ (یاد رکھو!) اِن سے صرف خوش نصیب اور برکت والا ہی دوستی رکھتا ہے اور اِن سے صرف بدنصیب اور بدبخت ہی بغض رکھتا ہے۔“ [2]

---

[1] ترمذی ۶۹۹:۵۔ ابن ماجہ، السنن ۵۲:۱۔ حاکم، المستدرک ۱۶۱:۳
طبرانی، المعجم الکبیر ۴۰:۳۔ ہیثمی، موارد الظمآن ۵۵۵:۱
محب طبری، ذخائز العقمی فی مناقب ذوی القربیٰ ۲۳ ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۱۲۵:۲

[2] محب طبری، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ ۳/ ۱۵۴

سنہ ۱۰ ہجری

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال

سنہ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے جناب ابراہیم کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی عمر سولہ (۱۶) ماہ اور بروایتے اٹھارہ (۱۸) ماہ تھی۔ بعض کتابوں میں چودہ (۱۴) ماہ چھ (۶) دن بھی لکھا ہے لیکن اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ اُن کی وفات ۱۰ ہجری میں ہی ہوئی تھی۔[۱]

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن سورج گرہن تھا۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ عظیم انسان کی موت پر سورج گرہن ہُوا کرتا ہے اس لیے انھوں نے اسے وفاتِ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم ہُوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور اس عقیدے کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا، ’’سورج اور چاند قدرت کی تخلیقات ہیں، کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گرہن نہیں لگتا۔‘‘ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ کسوف باجماعت ادا فرمائی۔[۲] اہلِ سنت کے ہاں سورج گرہن کے وقت نمازِ کسوف پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔[۳] جب کہ اہلِ تشیع کے نزدیک سورج گرہن، چاند گرہن یا زلزلہ وغیرہ کے وقت نمازِ آیات پڑھنا واجب ہے۔[۴]

فتح یمن

(رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ علیہ السلام کو یمن کی طرف تین سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ص ۳۸۵

[۲] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۶۲۰

[۳] آزاد دائرۃ المعارف، وکی پیڈیا، باب نماز کسوف بحوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم

[۴] آیت اللہ سید علی حسینی سیستانی، توضیح المسائل، ص ۱۲۲

علی علیہ السلام کو یمن روانہ کرتے وقت اُن کے لیے ایک علم تیار فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے اُن کے سر پر دستار باندھی۔ اہلِ سیر کہتے ہیں کہ اُس دستار کے تین پیچ تھے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آگے کی جانب تقریباً ایک گز کا شملہ چھوڑا اور ایک کنارہ کندھوں کی جانب ایک بالشت کا چھوڑا اور فرمایا، ''اے علی (علیہ السلام)! میں تمھیں بھیج تو رہا ہوں لیکن تمھاری جُدائی پر غمزدہ ہوں۔'' پھر فرمایا، ''جب تم اُن کے میدان میں پہنچو تو قتال میں پہل نہ کرنا جب تک کہ وہ خود جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ اُن کو ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کی طرف بلانا، اگر وہ ایمان لے آئیں تو اُنھیں اقامت صلوٰۃ کا حکم دینا، اگر وہ اس میں تمھاری اطاعت کرلیں تو زکوٰۃ کا حکم دینا کہ وہ اپنے صدقات کو اپنے فقرا پر خرچ کریں اور اگر وہ مان لیں تو کسی معاملے میں اُن سے تعرض نہ کرنا۔''

منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے یمن جاتے وقت عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں۔ میں نوجوان اور نوعمر ہوں اور علم قضا و احکامِ شریعت میں اتنی معلومات اور مہارت نہیں رکھتا (جتنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رکھتے ہیں)۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا دستِ مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے سینے پر رکھا اور فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَہٗ وَاھْدِ قَلْبَہٗ'' چنانچہ علی علیہ السلام علم قضا میں اُس مرتبے تک پہنچے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ اطہر سے آپ کی منقبت میں ارشاد ہُوا، ''اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ'' تم میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سب سے زیادہ اچھا یعنی بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔[1]

بے شک آپ علیہ السلام کی ہدایت وحقانیت کے باب میں یہ بہت عظیم منقبت ہے۔ نیز مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ تمھارے ہاتھ سے کسی کو ہدایت دے تو یہ عمل ہر اُس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع وغروب کرے۔ یعنی یہ عمل تمام دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہے۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے اُن شہروں میں دعوتِ اسلام کا پھریرا لہرایا، جہاد ومحاربہ میں ثابت قدم رہ کر جماعت کثیرہ کی ہدایت

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۴۵۱

فرمائی اور اُن کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا خصوصاً اہلِ یمن کے قبیلہ ہمدان کو۔ قبیلہ ہمدان کے سبھی لوگ یک بارگی مسلمان ہو گئے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خط لکھ کر اُن کے مسلمان ہونے کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت خوش ہوئے، سجدۂ شکر بجا لائے اور فرمایا، ''اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَان'' ہمدان والوں پر سلامتی ہو۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مندرجہ بالا بیان میں لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام تین سو سواروں کے ساتھ یمن کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن علامہ علی نقی نقوی لکھتے ہیں، ''وہی اسلامی سورما جو بدر و اُحد و خندق و خیبر کی خونریز فتوحات میں عسکری فتح کا نشان بن گیا تھا اب مباہلہ کے بعد بغیر تلوار کے جنگ میں بھی فتح و ظفر کا نشان ثابت ہُوا چنانچہ یمن میں علی علیہ السلام فتح کے لیے کھینچی ہوئی تلوار لے کر نہیں گئے اور نہ ہی کوئی فوج و لشکر ساتھ لیے ہوئے تشریف لے گئے جس کے نتیجے میں پورا ملک یمن چند روز میں فتح ہو گیا۔ تاریخ کی صراحت ہے کہ آپ نے بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا جو ظاہر ہے کہ کسی تمہیدی تقریر کے ساتھ ہوگا اور ایک دن میں پورے قبیلہ ہمدان نے اسلام قبول کر لیا۔[2]

مؤرخین کا کہنا ہے کہ یمن کا قبیلہ ہمدان جس نے اس موقع پر دعوتِ امیر المومنین جناب علی علیہ السلام پر لبیک کہی تھی، اس کے بعد بھی ہمیشہ آپ علیہ السلام کا وفادار اور جاں نثار رہا اور جو جنگیں آپ علیہ السلام نے بعد میں اپنے مخالفین کے ساتھ لڑیں اُن میں آپ علیہ السلام کا مضبوط بازو ثابت ہُوا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوّت، ج ۲ ص ۴۵۲

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۸۵ بحوالہ ابوالفداء عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء) تاریخ ابو الفداء، ج ۱ ص ۱۸۵

حجۃ الوداع

(ذیقعد ۱۰ ہجری)

سنہ دس ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد پہلا اور حیاتِ طیبہ کا آخری حج ادا فرمایا۔ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام ہی مکّہ میں تھا اس لیے بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج بھی کیا تھا لیکن ہجرت کے بعد دس ہجری تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکّہ کی طرف دو تین ہی سفر ہوئے تھے جو زمانہ حج میں نہیں تھے اس لیے اُنھیں اصطلاحی طور پر عمرہ کہنا درست ہے نہ کہ حج۔ پس ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج تھا جس کی ادائیگی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت کم عرصہ میں ہی وصال بالرفیق الاعلیٰ فرما گئے۔[۱] گویا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیت اللہ سے رخصت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ اور مسلمانوں کو الوداع کہا اور یہ اطلاع دی کہ اب میں دُنیا سے جانے والا ہوں، پس اس بنا پر اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔[۲]

بروایتے ماہ ذیقعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ ظاہر فرمایا تو تمام مسلمانوں میں اس کا اعلان ہُوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے اطراف وجوانب کے کثیر لوگ بھی چلے آئے اور ۲۴ یا ۲۵ ذیقعد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جم غفیر کے ساتھ ادائیگی حج کے لیے روانہ ہوئے۔[۳]

علامہ ابن عربی اپنی کتاب ''محاضرۃ الابرار'' میں لکھتے ہیں، ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ کے قصد سے شجرہ کی راہ سے پنجشنبہ (جمعرات) ۲ ذیقعد سنہ دس ہجری کو روانہ ہوئے۔ یہ شجرہ

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۸۷

[۲] سید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ، ج ۲ ص ۳۲۹

[۳] شیخ مفید (متوفی ۱۰۲۲ء)، ارشاد، ص ۹۷۔ علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۳۸

کا راستہ وہی ہے جس میں اب مدینہ سے نکل کر بئرِ علی مقام پر حجاج احرام باندھتے ہیں اور یہی اہلِ مدینہ کا میقات ہے جس کے آگے بغیر احرام کے بڑھنا جائز نہیں۔ اس منزل پر آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازِ عصر پڑھی اور رات کو جو کہ شبِ جمعہ تھی یہیں قیام فرمایا اور چونکہ یہیں احرام باندھ چکے تھے اس لیے اب جو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس منزل سے آگے بڑھنے لگے تو ''لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' کی صدا بُلند کی جس پر اُن ہزاروں آدمیوں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کی تو وادیاں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے اس اعلان سے گونج اُٹھیں اور یونہی ''لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ'' کی صداؤں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ راستے ہی میں روانگی کے آٹھویں دن شبِ پنجشنبہ ماہ ذی الحجہ کا چاند نمودار ہُوا۔ اس کے بعد راستہ طے ہوتا رہا یہاں تک کہ شبِ یکشنبہ، ۴ ذی الحجہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذی طویٰ میں رات گذاری اور نمازِ صبح پڑھ کر روانہ ہوئے اور اُسی اتوار کو صبح دن چڑھے مکّہ معظّمہ میں داخل ہوئے، حجرِ اسود کا استلام فرمایا (یعنی دُور سے اشارتاً بوسہ لیا۔ حرم میں رش کی وجہ سے حجرِ اسود کا بوسہ لینا مشکل ہو تو حجاج کرام آج بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے استلام ہی کرتے ہیں۔ مؤلف) اور سات مرتبہ کعبہ کا طواف فرمایا اور ہر طواف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجرِ اسود اور رکن یمانی کا استلام فرماتے تھے۔ پھر پنجشنبہ کی صبح روزِ ترویہ یعنی ۸ ذی الحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے اس طرح کہ پنجشنبہ کو ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی پھر شبِ جمعہ وہیں قیام فرما کر نمازِ صبح اُسی جگہ ادا فرمائی۔ روزِ عرفہ ۹ ذی الحجہ کو جب سورج بلند ہو چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عرفات کی طرف روانہ ہوئے، وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے مقامِ نمرہ پر خیمہ نصب ہو گیا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیام فرمایا۔ جب زوالِ آفتاب ہو گیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ناقے ''قصویٰ'' کو تیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تیار ہُوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس میدان کے وسط میں تشریف لائے جس کے گرد و پیش تمام مسلمان مقیم تھے اور پھر پشتِ

ناقہ پر سے پورے مجمع سے خطاب فرمایا۔ [1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اُس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کے لیے احکام وقواعد بیان فرمائے۔ اگر چہ وہ احکام پہلے سے معلوم تھے مگر اُنھیں موکد و برقرار کرنا اور شرک وجاہلیت کی بنیادوں کو کلی طور پر بیخ برکندہ کرنا مقصود تھا۔ [2]

علامہ ابن عربی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چچی اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا زوجہ جناب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اُس وقت ایک پیالہ دُودھ کا بھیجا جسے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسی ناقے کی پشت پر سواری کی حالت میں ہی نوش فرمایا، جس سے تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہُوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آج روزے سے نہیں۔ جب خطبہ پڑھ چکے تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ناقے سے اُترے اور بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ چنانچہ اذان ہوئی، مسلمان نماز کے لیے صف بستہ ہوگئے اور بلال رضی اللہ عنہ ہی نے اقامت کہی جس کے بعد ظہر کی نماز ہوئی پھر فوراً ہی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو دوسری دفعہ کی اقامت کا حکم دیا اور اُسی وقت عصر کی نماز ہوئی یعنی ظہر اور عصر کے درمیان کسی دوسری نماز کا فصل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں کیا۔ یہ دونوں نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باجماعت ایک ساتھ ظہر کے وقت میں ایک اذان کے ساتھ جو دونوں کے لیے تھی اور دو اقامتوں کے ساتھ کہ ہر نماز کے لیے اقامت الگ تھی، ادا فرمائیں۔ [3] یہی وہ ترکیبِ نماز ہے شیعہ جس کے عمومی طور پر پابند ہوگئے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مرکب پر سوار ہوئے اور وہیں تشریف لائے جہاں (مسلمانوں کے درمیان) گھرے ہوئے تھے یہاں تک کہ جمعے کا آفتاب غروب ہُوا اور (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آفتاب کی) زردی دُور ہوجانے کا انتظار کیا۔" فقہ جعفریہ میں بھی وقت مغرب

---

[1] علامہ ابن عربی (متوفی ۱۲۴۰ء)، محاضرۃ الابرار مطبوعہ مصر، ج ا ص ۱۹

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ص ۴۵۸، ۴۵۹

[3] علامہ ابن عربی، محاضرۃ الابرار مطبوعہ مصر، ج ا ص ۱۹

کے تعین کے لیے محض غروب آفتاب پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ سورج کی زردی دُور ہو جانے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اسامہ بن زید کو اپنے ساتھ بٹھا کر روانہ ہوئے اور ۱۰ ذی الحجہ کی رات کو کافی وقت گذرنے پر ''مزدلفہ'' پہنچے جسے ''مشعر الحرام'' بھی کہتے ہیں۔ مغرب کی نماز کا جو عام طور پر وقت سمجھا جاتا ہے گذر چکا تھا چنانچہ عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کی نمازیں اُسی طرح ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں۔

اس طرح اس حجۃ الوداع کے تاریخی موقع پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمع بین الصلوٰتین کی دونوں صورتوں پر عمل کر کے دکھایا یعنی نماز ظہر کے وقت میں اُسی کے ساتھ عصر کی نماز اور پھر عشاء کے وقت میں اُسی کے ساتھ مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ پس اس سے یہ اُصول ثابت ہو گیا کہ شروع اور آخر کے بس ذرا سے وقت کو چھوڑ کر جو عقلی طور پر پہلی اور آخری نماز کا وقت مختص ہے، باقی تمام وقت دونوں کا مشترک وقت ہے، یہ اور بات ہے کہ فضیلت کے لحاظ سے اس میں ایک حصّہ ظہر سے نسبت رکھتا ہے اور ایک حصّہ عصر سے، اسی طرح غروب کے بعد ایک حصّہ مغرب سے اور اس کے بعد کا حصّہ عشاء سے مگر اس درمیان کے وقت کے ہر جز میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کا ہونا درست ہے جو ائمہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہے۔ [۱]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۝

---

[۱] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۹۲

حج تمتع کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ پہنچ کر طواف اور سعی سے جب فارغ ہوئے تھے تو حکم الٰہی نازل ہُوا: [1] ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ ط'' (اور خدا کی خوشنودی کے لیے حج اور عمرہ بجالاؤ) اس آیت مبارکہ سے حج تمتع کا قانون نافذ ہُوا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے عمرہ حج کا جزولاینفک ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ حکم اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زور دے کر کئی مرتبہ فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے اور قیامت تک رہے گا۔ [2]

قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ہے کہ یہ حج تمتع کا حکم اُن کے لیے ہے جو دُور دراز سے مکّہ آئیں۔ وہ پہلے عمرہ ادا کر کے اس کے احکام بجالائیں اور احرام کو ختم کر دیں جس کے ساتھ ہی وہ تمام پابندیاں بھی ختم ہوجائیں گی جو احرام کی حالت میں ہوتی ہیں، پھر مقررہ تاریخوں پر حج کا احرام باندھیں۔ یہی حج تمتع کا طریقہ ہے جو فقہ جعفریہ میں دُور دراز کے لوگوں کے لیے لازم ہے اور اہلِ سنت بھی اسے درست سمجھتے ہیں اور زیادہ تر اسی پر عمل کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ بعض لوگوں نے اس پر معترضانہ جملے ادا کیے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم اس حکم پر کبھی ایمان نہیں لاؤ گے۔ [3]

بروایتے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ابھی یمن میں ہی تھے جب اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کی اطلاع ملی۔ وہ وہیں سے قربانی کے جانور ساتھ لے کر مکّہ روانہ ہو گئے۔ مکّہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ قربانی کے اُونٹ لیے وہاں پہنچ گئے۔ [4]

---

[1] سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۶

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۸۸ بحوالہ الدرر، صفحہ ۲۷۸

[3] شیخ مفید (متوفی ۱۰۲۲ء)، ارشاد، صفحہ ۸۱

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۵۷

غدیرِ خم

(۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری)

حجۃ الوداع کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منوّرہ کی طرف مراجعت فرمائی اور مقام غدیرِ خم پر پہنچ کر بحکم الٰہی قیام فرمایا۔ مشہور مؤرخ شبلی نعمانی نے اُس مقام کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے، ''مقام خم جو جحفہ سے تین میل پر ہے یہاں ایک تالاب تھا، عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور (اسی وجہ سے) اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آیا ہے۔ [۱]

علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہلِ تشیع کی نظر میں

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہاں (غدیر خم پر) عموماً قافلے منزل نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ یہاں آب و گیاہ موجود نہیں تھا۔ [۲] (شبلی نعمانی کے مطابق وہاں تالاب تھا جب کہ دیگر مؤرخین کے مطابق وہ جگہ بے آب و گیاہ تھی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اُس جگہ کا نام غدیر خم پڑا تب وہاں تالاب ہوگا جو بعد میں ختم ہوگیا ہوگا۔مؤلف) پس اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہاں محض ستانے کے لیے قیام نہیں کیا تھا بلکہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے رُکنے کا حکم آیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑاؤ ڈالا۔ محققین کے مطابق وہ حکم ربانی یہ تھا: [۳]

''یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾''

---

[۱] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طبع ہشتم ۱۳۸۸ ہجری ۱۹۶۹ء حصہ دوم ص ۱۶۷

[۲] شیخ مفید (متوفی ۱۰۲۲ء)، ارشاد، ص ۷۹

[۳] سورۃ المائدۃ، آیت ۶۷

(اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار کی طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اُتارا گیا ہے اُس حکم کو (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسا نہ کیا تو (پھر یہ سمجھا جائے گا کہ) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کرے گا، بے شک خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔)

شیخ مفید فرماتے ہیں، ''اس آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے اور روایت بھی بتاتی ہے کہ یہ حکم پہلے آچکا تھا مگر اس کی تبلیغ کے لیے اس سے پہلے وقت مقرر نہیں ہُوا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اعلان میں تاخیر فرمائی اس انتظار میں کہ موقع ایسا سازگار ہو کہ اُس میں اختلاف زیادہ پیدا نہ ہو اور اب یہ جگہ آگئی جہاں اللہ کو علم تھا اور دُنیا پر بعد میں یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ سے آگے بڑھ جائیں اور قافلہ روانہ ہو جائے تو پھر راستے بدل جائیں گے اور اتنا بڑا مجمع پھر کبھی پیغمبرِ خدا کو فراہم نہیں ہوگا، چنانچہ اب خالق کی جانب سے یہ حکم تاکیدی آیا تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس حکم ربانی کو سُن لیں اور حُجّت تمام خلق پر زیادہ سے زیادہ تمام ہو جائے۔ اس حکم محکم کے ورود پر بلا توقف حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکب سے اُتر پڑے اور لازماً مسلمانوں کو بھی اُترنا پڑا۔ اُس وقت گرمی نہایت سخت تھی۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ چھوٹے چھوٹے درخت جو وہاں ہیں وہ اُکھاڑ دیے جائیں تاکہ زمین صاف ہو جائے۔ پھر پالانہائے شتر کو ایک دوسرے پر رکھ کر ایک طرح کا منبر وہاں بنوایا اور اب اعلان ہُوا، ''الصلوٰۃ جامعۃ'' یعنی نماز جماعت میں سب آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوں۔ مجبوراً سب مسلمان سمٹ کر اکٹھے ہو گئے جب کہ ریگِ صحرا کی تپش کا یہ عالم تھا کہ عبائیں یا چادریں پیروں سے لپیٹ لی گئیں تھیں۔''[۱]

اعلان سے قبل رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے کر اُس مصنوعی منبر کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور اُنھیں اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور ایک بسیط خطبہ ارشاد

---

[۱] شیخ مفید، ارشاد، ص ۸۱۔ علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۴۹۴

فرمایا۔ شیخ مفید اور علامہ طبرسی اس خطبے میں سے چند خاص فقرے یوں نقل کرتے ہیں:

''حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حمد وثنا ادا فرمائی اور موعظہ ونصیحت کے ساتھ اُمت کو اپنی وفات کی خبر سنائی اور فرمایا مجھے دعوتِ حق آ گئی ہے اور قریب ہے وہ وقت کہ میں اس پر لبیک کہوں، اب تمھاری نظروں سے اوجھل ہونے کا میرا وقت آ گیا ہے اور میں تم میں چھوڑے جاتا ہوں وہ کہ جس سے تم اگر تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے (اور وہ ہیں) اللہ کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوگے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باآوازِ بلند فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں پر تم سے زیادہ بااختیار ہونے کا حق نہیں رکھتا؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ بس اس سے ربط دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اس عالم میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اُونچا کیا اتنا کہ دونوں کی سفیدی زیرِ بغل ظاہر ہوئی اور فرمایا، اچھا تو جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی (علیہ السلام) مولا ہے۔ خداوندا! دوست رکھ اُسے جو اِس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو اِسے دشمن رکھے اور مدد کر اُس کی جو اِس کی مدد کرے اور بے مددگار چھوڑ اُسے جو اِسے بے مددگار چھوڑے۔ پھر منبر سے اُترے اور یہ عین دوپہر کا وقت تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی۔ زوالِ آفتاب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موذن نے نمازِ ظہر کی اذان دی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھائی اور اپنے خیمے میں بیٹھے اور حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ایک خیمے میں جو سامنے لگایا گیا تھا بیٹھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایک ایک کر کے آپ کے پاس جائیں اور امیر المومنین کہہ کر سلام کریں اور امامت کی مبارکباد دیں چنانچہ اُس دن سب نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ازواج اور تمام مسلمان خواتین کو حکم دیا کہ وہ سب بھی علی علیہ السلام کے پاس آئیں اور اُنھیں امیر المومنین کہہ کر سلام کریں چنانچہ اُن سب نے بھی اس پر عمل کیا اور جنہوں نے اس میں کافی طول کلام سے کام لیا حضرت علی علیہ السلام کو اِس منصب پر مبارکباد دینے میں وہ حضرت عمر بن خطاب رض تھے اور اُنھوں نے اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا

اور منجملہ اس کے جو کہا تھا یہ تھا کہ مبارک ہو مبارک اے علی علیہ السلام! کہ آپ میرے اور ہر صاحب ایمان مرد اور صاحب ایمان عورت کے ''مولیٰ'' ہو گئے اور حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیتے ہیں کہ میں اس موقع پر کچھ ایسا کہوں جسے اللہ پسند کرتا ہو؟ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے حسان! بسم اللہ اُٹھو۔ چنانچہ وہ ایک اُونچے حصّہ پر زمین کے کھڑے ہوئے اور تمام مسلمانوں نے گردنیں بلند کیں اُن کے کلام کے سُننے کے لیے تو اُنھوں نے اشعار پڑھنا شروع کیے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اُنھیں غدیر کے دن اُن کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکار رہے تھے مقام خم پر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کانوں تک آواز پہنچانے والا کوئی ہو سکتا ہے؟ اور فرمایا بتاؤ تمھارا مولیٰ اور ولی کون ہے؟ تو سب بول اُٹھے اور کسی نے اُس وقت دشمنی ظاہر نہیں کی کہ خدا ہمارا مولیٰ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ولی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کو آج نافرمانی کرنے والا نہیں پائیں گے تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے (حضرت علی علیہ السلام سے) کہا کہ کھڑے ہو اے علی علیہ السلام! کہ میں اپنے بعد تمھارے امام اور راہنما ہونے کو پسند کرتا ہوں تو جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا یہ علی (علیہ السلام) ولی ہے تو تم سب رہو ان کے لیے مددگار اور موافقت رکھنے والے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا کی کہ خداوندا! اس کے دوست کو تُو دوست رکھ اور جو علی علیہ السلام کو دشمن رکھے اُس کا تُو دشمن ہو۔'' اس پر حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا، اے حسان! ہمیشہ رُوح القدس کے ذریعے تمھاری تائید ہوتی رہے گی جب تک کہ تم اپنی زبان سے ہماری مدد کرتے رہو گے اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس جگہ سے ہٹے نہیں یہاں تک کہ یہ آیت اُتری:

''اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ'' (آج میں نے تمھارے لیے دِین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کر لیا ہے۔) [۱]

---

[۱] سورۃ المائدۃ، آیت ۳

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ کا شکر ہے دِین کے مکمل ہونے اور نعمت کے پورے ہونے اور پروردگار کے میری رسالت اور علی (علیہ السلام) کی میرے بعد ولایت سے راضی ہونے پر۔ [1]

علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہلِ سُنت کی نظر میں

اہل سنت کے مشہور محدث و مؤرخ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے) واپسی کے وقت اثنائے راہ میں جب منزل غدیر خم پہنچے جو کہ جحفہ کے نواح میں مکّہ معظّمہ اور مدینہ طیبّہ کے درمیان واقع ہے تو روئے انور صحابہؓ کی طرف کر کے فرمایا، ''کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں اُن کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہوں؟ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ نبی مسلمانوں میں اُن کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہیں۔'' بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ الفاظ تین مرتبہ دُہرائے۔ تمام صحابہؓ نے عرض کیا، ''درست ہے، کیوں نہیں؟ بلا شبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام مسلمانوں کی جانوں سے قریب اور محبوب تر ہیں۔'' پھر فرمایا، ''آگاہ ہو جاؤ! میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہیں۔ ایک قرآن کریم اور دوسری میری اہل بیت (علیہم السلام)، دیکھو! میرے بعد اِن دونوں میں احتیاط کرنا کہ کس طرح تم اِن سے سلوک کرتے ہو اور کیسے اِن کے حقوق ادا کرتے ہو۔ یہ دونوں میرے بعد ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر کے کنارے مجھ سے ملیں۔'' اس کے بعد فرمایا، ''حق تبارک و تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولیٰ ہوں۔'' پھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، ''اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَّوْلَاہُ ط اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۹۴-۴۹۴۔ شیخ مفید، ارشاد، ص ۸۱
علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ، ص ۱۳۹، ۱۴۰

وَالَاهُ ط وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ ○'' (اے خدا! جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی (علیہ السلام) اُس کا مولیٰ ہے، اے خدا! تُو بھی اُسے دوست رکھ جو اِسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو اِس سے دشمنی رکھے)۔'' ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے، ''وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ ط وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ ط وَاَدِرِ الْحَقَّ حَيْثُ دَارَ ط (اور مدد کر اُس کی جو علی (علیہ السلام) کی مدد کرے اور ذلیل کر اُسے جو اِس کو چھوڑ دے اور حق کو اُدھر اُدھر لے جا جدھر جدھر یہ (علی علیہ السلام) جاتا ہے یعنی حق کو اُسی طرف کر جس طرف علی علیہ السلام ہوں۔''

مروی ہے کہ اس واقعے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ملاقات کی اور کہا، ''اے ابن ابی طالبؑ! مبارک ہو اور خوشی ہو کہ صبح وشام اس حال میں تم کرتے ہو کہ ہر مرد وزن مومن کے تم مولیٰ ہو۔'' اس حدیث کو اہل سنت کے امام ولی الدین محمد بن محمد بن عبداللہ الخطیب العربی نے اپنی مشہور کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' جو عموماً ''مشکوٰۃ شریف'' کہلاتی ہے میں روایت کیا ہے۔[1] اور ابن اثیر جزری نے ''اسد الغابۃ'' میں روایت کیا ہے۔[2]

علامہ واحدی ابوالحسن علی بن احمد نیشاپوری نے اپنی مشہور ومعروف کتاب ''اسباب التنزیل'' میں جو کہ صحیح معنی میں تاریخ تنزیل آیاتِ قرآنی ہے، حضرت ابوسعید خُدری کی روایت یوں درج کی ہے کہ یہ آیت، ''اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کر دیجئے اُس کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے''، غدیر خم والے دن حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کے بارے میں نازل ہوئی۔[3]

حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر ''دُر منثور فی التفسیر بالماثور'' میں اور اہلِ حدیث کے بہت بڑے عالم اور مفسر محمد بن علی بن محمد شوکانی نے اپنی تفسیر ''فتح

---

[1] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام، ص ۵۰۶ بحوالہ مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ دہلی ج ۲ ص ۵۹۰

[2] علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۴ ص ۲۸

[3] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۹۹ بحوالہ اسباب التنزیل مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ ہجری، ص ۱۵۰

القدیر‘‘ میں اور ہندوستان کے مشہور عالم اہلِ حدیث نواب صدیق حسن خان قنوجی نے اپنی تفسیر’’فتح البیان فی مقاصد القرآن‘‘ میں جو متفقہ الفاظ درج کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

’’ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے ابوسعید خُدری کی زبانی بیان کیا ہے کہ یہ آیت،[١]

’’یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾‘‘

(اے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو حکم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار کی طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اُتارا گیا ہے اُسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسا نہ کیا تو (پھر یوں ہے کہ) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں، اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کرے گا، بے شک خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔)‘‘ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی غدیر خم کے دن علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کے بارے میں اور ابن مردویہ نے ابن مسعود کی زبانی نقل کیا ہے کہ ہم لوگ جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس آیت کو پڑھتے تھے (تو) اس فقرے کے ساتھ (پڑھتے تھے) کہ ’’جو اللہ کی طرف سے اُتارا گیا ہے‘‘(وہ) علی علیہ السلام (ہے جو) مومنین کا مولا ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کچھ پہنچائی ہی نہیں اور اللہ لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرے گا۔[٢]

اہلِ سنت کے امام جناب ولی الدین محمد بن محمد بن عبداللہ الخطیب العربی اپنی مشہور کتاب ’’مشکوٰۃ المصابیح‘‘، یعنی مشکوٰۃ شریف میں روایت کرتے ہیں، ’’زید بن ارقم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ اور مدینہ کے درمیان خطبہ دینے کے لیے سواری سے اُترے

---

[١] سورۃ المائدۃ، آیت ٦٧

[٢] جلال الدین سیوطی (متوفی ٩١١ ہجری)، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ج٢ ص ٢٩٨

محمد بن علی بن محمد شوکانی (متوفی ١٢٥٠ ہجری)، فتح القدیر، ج٢ ص ٦٠

نواب صدیق حسن خان قنوجی، فتح البیان فی مقاصد القرآن، ص ١٩

اورحمد وثنائے اللہ بجالائے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے لوگو! میں تو بس ایک انسان ہوں، بہت نزدیک ہے وہ دن کہ میرے پروردگار کا پیغام آجائے اور میں لبیک کہوں بلاشبہ میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، پہلی ان میں سے اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے تو اللہ کی کتاب کو لو اور اس سے تمسک کرو' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ پر عمل کی ترغیب دی اور اس پر بہت زور دیا پھر فرمایا، ''میں تمھیں اپنے اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں، (پھر کہا) اپنے اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔''[1]

مولانا شبلی نعمانی نے صحیح بخاری وترمذی کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے، ''اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے (موت کو) قبول کرنا پڑے۔ میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ واور دوسری چیز میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں۔ میں اپنے اہل بیت (علیہم السلام) کے بارے میں تمھیں خدا کی یاد دلاتا ہوں (آخری جملے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ دہرایا۔ (یہ صحیح مسلم ،مناقب حضرت علی علیہ السلام کی روایت ہے) اور نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی (علیہ السلام) کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔[2]

شاہ معین الدین احمد ندوی جو کہ مولانا شبلی نعمانی کے شاگرد رشید ہیں، صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب علی (علیہ السلام) کو ماخذ قرار دے کر لکھتے ہیں،'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) مدینہ کی طرف کوچ فرمایا اور راستے میں مقامِ خم غدیر میں ایک مختصر خطبہ دیا،'' حمد وثنا کے بعد (فرمایا)، اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے خدا کا فرشتہ آئے اور مجھے اُس کی دعوت کو قبول کرنا پڑے۔ میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس

---

[1] امام ولی الدین محمد بن محمد بن عبداللہ الخطیب العربی (متوفی ۷۴۳ ہجری)، مشکوٰۃ المصابیح

[2] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حصّہ دوم صفحہ ۱۶۸

کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں، میں اپنے اہل بیت (علیہم السلام) کے بارے میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں۔''[1]

اہل سنت کے مشہور و معروف عالم دین اور محقق ڈاکٹر علامہ طاہر القادری اپنی مشہور کتاب ''السیف الجلی علیٰ منکر ولایت علی علیہ السلام (اعلان غدیر)'' جس کا موضوع ہی مقام غدیر پر کیا جانے والا اعلانِ ولایت علی علیہ السلام ہے، کے مقدمہ میں لکھتے ہیں،'' آج ۱۸ ذی الحج ہے جس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ واپسی کے دوران میں غدیر خم کے مقام پر قیام فرمایا اور صحابہ کرامؓ کے ہجوم میں سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا ہاتھ اُٹھا کر اعلان فرمایا،''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَّوْلَاہُ ''(جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی (علیہ السلام) مولا ہے۔) یہ اعلانِ ولایتِ علی (علیہ السلام) جس کا اطلاق قیامت تک جملہ اہلِ ایمان پر ہوتا ہے اور جس سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو ولایتِ علی (علیہ السلام) کا منکر ہے وہ ولایتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے۔ اس عاجز نے محسوس کیا کہ اس مسئلہ پر بعض لوگ بوجہ جہالت متردّد رہتے ہیں اور بعض لوگ بوجہ عناد و تعصب، سو یہ تردّد اور انکار اُمت میں تفرقہ و انتشار میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے۔ اندریں حالات میں نے ضروری سمجھا کہ مسئلہ ولایت و امامت پر دو رسالے تالیف کروں، ایک بعنوان ''السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی (علیہ السلام) اور دوسرا بعنوان ''القول المعتبر فی الامام المنتظر (علیہ السلام)''۔ پہلے رسالے کے ذریعے فاتحِ ولایت حضرت امام علی علیہ السلام کے مقام کو واضح کروں اور دوسرے رسالہ کے ذریعے خاتمِ ولایت حضرت امام مہدی علیہ السلام کا بیان کروں تاکہ جملہ شبہات کا ازالہ ہو اور یہ حقیقت خواص و عوام سب تک پہنچ سکے کہ ولایتِ علی علیہ السلام اور ولایت مہدی علیہ السلام اہلِ سنت و جماعت کی معتبر کتبِ احادیث میں روایاتِ متواترہ سے ثابت ہے۔ میں نے پہلے رسالہ میں حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکیاون (۵۱) روایات پوری تحقیق و تخریج کے ساتھ درج کی ہیں۔ اس عدد کی وجہ یہ ہے کہ میں

---

[1] شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام حصّہ اوّل، ص ۱۱۱

نے امسال اپنی عمر کے ۵۱ برس مکمل کیے ہیں، اس لیے حصولِ برکت اور اکتسابِ خیر کے لیے عاجزانہ طور پر عددی نسبت کا وسیلہ اختیار کیا ہے تا کہ بارگاہِ علی المرتضیٰ (علیہ السلام) میں اس حقیر کا نذرانہ شرفِ قبولیت پا سکے۔[1]

مُلّا علی متقی کی کنزالعمال میں ایک ہی مضمون کے تین جملے مختلف راویوں کی زبانی ہیں اور مشہور الفاظ یہ ہیں، ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَّوْلَاہُ○'' اور یہی حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھے ہیں۔[2]

''مُسند'' میں امام احمد بن حنبل نے اور ابن اثیر جزری نے'' اسد الغابۃ'' میں متعدد مواقع پر درج کیا ہے کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کوفہ کے مقام رحبہ میں جہاں ظاہر ہے کہ تمام اصحابِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجود بھی نہ تھے بلکہ صرف وہی تھے جو اتفاق سے عراق پہنچے گئے تھے اور اُس وقت اُس مقام پر موجود تھے، اس واقعے کی چشم دید گواہیاں طلب کیں کہ جس جس نے اپنے کان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غدیر خم میں یہ الفاظ فرماتے ہوئے سنا ہے وہ گواہی دیں تو بارہ افراد ایسے صحابہ میں سے جو جنگِ بدر میں شریک ہو چکے تھے کھڑے ہو گئے اور اُنھوں نے اعلان کیا کہ ہم نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ الفاظ فرماتے ہوئے سنا ہے۔[3]

مشکوٰۃ میں ہے، ''(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے) تین مرتبہ فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمام مومنوں پر خود اُن سے زیادہ اختیارات رکھتا ہوں؟ سب نے کہا کہ ہم جانتے ہیں تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی (علیہ السلام) مولا ہے۔[4]

---

[1] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، السیف الجلی علیٰ منکر ولایت علی علیہ السلام (اعلان غدیر)، ص ۵

[2] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۵۰۵ بحوالہ کنزالعمال، ج ۱۲ ص ۲۰۲

[3] مسند احمد، ج ا ص ۱۹۵، ۹۶۱۔ علی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ ھ)، اسد الغابۃ، ج ۴ ص ۲۸

[4] مشکواۃ مطبوعہ دمشق، ج ۳ ص ۳۰

غدیر خم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تاکید

اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف غدیر خم کے خطبے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس کے بعد بھی تا رِحلت مختلف مواقع پر مسلمانوں کو تاکید و نصیحت اور وصیّت فرماتے رہے۔ شیخ مفید اور شیخ طوسی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہُوا کہ زمانۂ رِحلت قریب ہے تو ہمیشہ خطبہ ہائے بلیغ فرماتے، لوگوں کو اپنے احکام سے روگردانی کرنے اور اپنے بعد فتنہ و فساد برپا کرنے سے منع کرتے، ڈراتے اور وصیّت فرماتے: ''اے لوگو! میرے طریقے اور میری سنت سے دستبردار نہ ہو جانا، دینِ خدا میں بدعت نہ کرنا، میری عترت و اہل بیت (علیہم السلام) کی اطاعت و نصرت کرنا، ان سے موافق رہنا اور ان کی مخالفت نہ کرنا اور مرتد نہ ہو جانا۔'' اور مکرر ارشاد فرماتے: ''اے لوگو! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں، تم حوضِ کوثر پر میرے پاس آؤ گے اور میں تم سے سوال کروں گا کہ تم نے اُن دو بزرگ چیزوں یعنی کتابِ خدا اور میری عترت و اہل بیت (علیہم السلام) کے ساتھ کیا سلوک کیا جن کو میں (تمھارے درمیان) چھوڑ آیا تھا۔ پس تم سوچو اور غور و فکر کرو کہ ان دونوں سے کیسا برتاؤ کرو گے؟ بتحقیق خداوند لطیف و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں جُدا نہ ہوں گی جب تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ آجائیں۔ اِن دونوں کو میں تمھارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں، میرے اہل بیت (علیہم السلام) پر سبقت نہ کرنا اور اِن سے پراگندہ (منتشر) نہ ہونا، اِن کے حق میں تقصیر (خطا) نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور کوئی چیز اِن کو تعلیم نہ کرنا کہ یہ تم سے زیادہ دانا ہیں، ایسا نہ ہو کہ میرے بعد میرے دین سے منحرف ہو جاؤ، کافر بن جاؤ اور ایک دوسرے پر تلوار کھینچو۔ اے لوگو! جان لو کہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) میرا چچا زاد بھائی اور میرا وصی ہے۔ وہ تاویل قرآن پر قتال کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر کیا۔''[1]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۰۹، ۱۱۰

سنہ ۱۱ ہجری

مدینہ کی طرف واپسی اور سریہ اسامہ بن زید حارثہ

(۲۶ صفر ۱۱ ہجری)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوّت'' میں اس سریے کے بارے میں تفصیلاً ذِکر کیا ہے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ آخری سریہ جیش حضرت اسامہ بن زیدؓ کا تھا، اُس میں لشکر کو پیر کے دن ۲۶ صفر ۱۱ ہجری میں روم کی طرف کوچ کا حکم ہُوا جہاں اُن کے والد کی شہادت گاہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو جن کی عمر صرف اٹھارہ، انیس یا بیس سال تھی، لشکر کا امیر بنایا اور فوراً روانہ ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ اُس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علیل تھے اور اگلے دن علالت کے باوجود اپنے دستِ مبارک سے علم تیار کیا اور فرمایا کہ بسم اللہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خدا کے کافروں سے قتال کرو۔ حضرت اسامہؓ نے علم لیا اور روانہ ہو گئے، اُنھوں نے مدینہ کے قریب مقام جرف پر پڑاؤ کیا تا کہ لشکر اسلام جمع ہو جائے۔ دربارِ رسالت سے یہ حکم عالی صادر ہُوا کہ اعیان مہاجرین وانصار مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہ سوائے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے حضرت اسامہؓ کے ہمراہ جائیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تقریباً تمام بزرگ صحابہ کرامؓ کو روانہ کیا سوائے حضرت علی علیہ السلام کے۔ حضرت اسامہؓ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق لشکر گاہ پہنچے اور کوچ کا حکم دیا۔ ابھی خود سوار ہو رہے تھے کہ اُن کی والدہ اُمّ ایمن نے پیغام بھیجا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ اُسامہ لوٹ آئے، اشراف صحابہؓ بھی واپس آ گئے جب کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ پہلے ہی مدینہ میں تھے۔[۱]

اس واقعے میں کئی اہم پہلو دعوتِ فکر دیتے ہیں، مثلاً:

۱۔ شدید علالت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس لشکر کو روم کی طرف کیوں روانہ فرما رہے تھے

---

[۱] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۶۷۴

اور لشکر کے جلد از جلد کوچ کر جانے پر کیوں مُصر تھے؟

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کو بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم دیا مگر حضرت علی علیہ السلام جیسے جری مجاہدِ اسلام کو روک لیا۔ اگر وہ جنگ اتنی اہم تھی جس کے لیے لشکرِ اسلام کو جلد از جلد کوچ کا حکم دیا جارہا تھا تو ایسی جنگ میں شیرِ خدا کی شمولیت تو ضروری ہونا چاہیے تھی پھر اُن کو مدینہ میں ہی روک لینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا حکمت نہاں تھی؟

۳۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے تجربہ کار صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے ایک نوعمر وکمسن کو لشکر کا امیر بنانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا مصلحت تھی؟

علامہ باقر مجلسی، ''جلاء العیون'' میں لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کوئی علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) سے مخالفت ومنازعت نہ کرے اور خلافتِ جناب امیر علیہ السلام مُستقَر اور محکم ہو جائے۔ پس لوگوں کو باہر جانے پر اصرار فرماتے تھے اور اسامہ کو حکم دیا کہ ''جرف'' میں جائے اور وہاں پہنچ کر توقف کرے تاکہ لشکری وہاں آ کر جمع ہو جائیں اور ایک جماعت کو مقرر فرمایا کہ لوگوں کو نکال دیں (یعنی مدینہ سے نکال کر لشکر کے ساتھ روانہ کریں)۔ پس اسی حالت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرضِ موت طاری ہُوا۔[1]

شیخ مفید لکھتے ہیں، ''یہ اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت کوئی ایسا شخص مدینہ میں نہ رہے جو اُمت کی سربراہی میں اختلاف کرے اور خود سربراہ بننے کی توقع رکھے اور اس طرح اُس شخص کے لیے جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنا جانشین بنایا ہے مقصد کی تکمیل ہو جائے اور اُس کے حق کے بارے میں کوئی نزاع کرنے والا نزاع نہ کرے۔''[2]

علامہ طبرسی لکھتے ہیں، ''حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صرف اس لیے کیا کہ مدینہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت کوئی ایسا شخص نہ رہے جو امامت میں اختلاف کرے یا خود امیر

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، جلاء العیون، ج ۱

[2] شیخ مفید (متوفی ۱۰۲۲ء)، ارشاد، صفحہ ۸۴

بننے کا خواہش مند ہو اور اس طرح جو اس کا حق دار ہے اُس کے لیے یہ امر پایہ تکمیل تک پہنچے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت اور آخری ایامِ حیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم میں ہی آگاہ فرما چکے تھے کہ بہت نزدیک ہے وہ دن کہ میرے پروردگار کا پیغام آجائے اور میں لبیک کہوں چنانچہ غدیر سے واپسی پر ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل ہو گئے تھے اور بیماری رفتہ رفتہ بڑھتی چلی گئی۔ ماہِ صفر کے آخری دنوں میں اس کا غلبہ زیادہ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان لیا کہ اب جسمانی طاقت زیادہ دیر ساتھ نہ دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ بہ جنّتُ البقیع

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نازک حالت مشاہدہ فرمائی تو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بقیع کی طرف متوجہ ہوئے۔ اکثر اصحابؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مردگانِ بقیع پر استغفار کروں چنانچہ جب بقیع میں پہنچے تو ارشاد فرمایا، ''السّلامُ علیکم اے اہلِ قبور! تم کو وہ حالت گوارا ہو جس میں تم نے صبح کی اور اس فتنہ و فساد سے نجات پائی جو لوگوں کو درپیش ہے۔ بتحقیق کہ مانند پارہ ہائے شب تار فساد و فتنہ ہائے عظیم نے لوگوں کی جانب رخ کیا ہے۔'' یہ فرما کر دیر تک اہلِ بقیع کے لیے طلب مغفرت کی۔ [2]

حضرت علی علیہ السلام کو وصال سے متعلق وصیّت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقیع میں اہلِ قبور کے لیے دُعا سے فارغ ہو کر حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا، ''مجھے لگتا ہے کہ میرا وقتِ وفات قریب ہے۔'' پھر فرمایا، ''یا علی! حق تعالیٰ نے مجھے خزانہ ہائے دُنیا پر مخیر فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو ہمیشہ دُنیا میں رہوں یا چاہوں تو بہشت میں

---

[1] علامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)، اعلام الوریٰ

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، جلاء العیون، ج ا ص ۱۱۰

رہوں مگر میں نے لِقائے پروردگار (دیدارِ خدا) کو اختیار کیا ہے۔ جب میں انتقال کروں تو تم میرے ستر کو ڈھانپ دینا کیونکہ جس کی نظر پڑ جائے گی وہ اندھا ہو جائے گا۔'' یہ فرما کر منزل کی جانب مراجعت فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرض شدید ہو گیا۔ تیسرے روز مسجد میں تشریف لائے۔ نقاہت کی وجہ سے چلنے میں دشواری کا سامنا تھا اس لیے دایاں ہاتھ دوشِ جناب علی علیہ السلام پر اور بایاں ہاتھ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر تھا۔ یہاں تک کہ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطبہ

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد کے منبر پر تشریف رکھنے کے بعد فرمایا، ''اے گروہِ مردم! اب وہ وقت قریب ہے کہ میں تم سے رخصت ہو جاؤں۔ جس کسی کا مجھ سے کوئی عہد ہو وہ آئے اور مجھ سے لے لے اور جس کسی کا کوئی قرض میرے ذمہ ہو وہ مجھ سے وصول کر لے۔ اے گروہِ انسان! کسی متنفس اور خدا کے درمیان سوائے اللہ کی بندگی کے عمل کے اور کوئی وسیلہ نہیں جس کے سبب سے کوئی عمل خیر واقع ہو یا کوئی شر اُس سے دفع ہو۔ اے لوگو! کوئی مدعی یہ دعویٰ نہ کرے کہ وہ بغیر عمل کے رہائی پائے گا اور کوئی یہ آرزو نہ کرے کہ بغیر اللہ کی بندگی کے وہ رضائے الٰہی حاصل کر سکے گا۔ میں قسم کھاتا ہوں اُس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ نیک عمل اور رحمتِ حق تعالیٰ سے ہی عذاب الٰہی سے نجات ہے اور معصیت سے جہنم ہے۔ خداوندا! میں نے تیری رسالت پہنچا دی۔'' یہ فرمایا اور منبر سے نیچے تشریف لائے۔ پھر لوگوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں ایک یا دو روز رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے گھر لے گئیں۔[۲]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۱۰

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۱۰

واقعہ قصاص

گمان ہے کہ واقعہ قصاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ بالا خطبے کے دوران میں ہی پیش آیا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس خطبے کے دوران میں فرمایا تھا کہ اے لوگو! اب وہ وقت قریب ہے کہ میں تم سے رخصت ہو جاؤں، جس کسی کا مجھ سے کوئی عہد ہو وہ آئے اور مجھ سے لے لے اور جس کا کوئی قرض میرے ذمہ ہو وہ مجھ سے وصول کر لے۔ (''جلاء العیون'' میں یہ واقعہ کسی اور مقام پر درج ہے لیکن واقعاتی تسلسل قائم کرنے کے لیے ہم اسے یہاں پر شامل کر رہے ہیں۔ مؤلف)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو میری مسجد میں جمع کرو۔ جب لوگ جمع ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ سر پر عمامہ مبارک رکھے ہوئے منبر پر گئے اور حمد و ثنائے الٰہی بجالائے۔ پھر فرمایا، ''اے گروہ اصحاب! میں تمھارے لیے کیسا پیغمبر تھا؟ کیا میں نے تمھارے واسطے جہاد نہیں کیا؟ کیا میری پیشانی کو تم نے خاک آلود نہیں کیا؟ کیا میرے مُنہ پر تم نے خون نہیں بہایا یہاں تک کہ میری داڑھی رنگین ہوگئی؟ کیا میں اپنی قوم کے ہاتھوں شدتوں اور سختیوں کا متحمل نہیں ہُوا؟ کیا میں نے اپنی اُمت کی رعایت کے لیے بھوک میں پیٹ پر پتھر نہیں باندھا؟'' اصحاب رضی اللہ عنہم نے کہا، ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے واسطے صبر کرنے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے تھے، حق تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر دے۔'' نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''خدا تم کو بھی جزائے خیر دے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی ظالم کا ظلم نہ چل سکے گا لہٰذا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جس کسی پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی ظلم ہُوا ہو وہ اُٹھ کھڑا ہو اور مجھ سے قصاص لے لے کہ قصاصِ دُنیا میرے نزدیک قصاصِ عقبیٰ سے جو گروہِ ملائکہ اور انبیا کے سامنے ہوگا زیادہ بہتر اور محبوب تر ہے۔'' یہ سُن کر ایک شخص، جس کا نام سوادۃ بن قیس تھا، سب سے پیچھے سے اُٹھا اور کہا، ''میرے ماں باپ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے تشریف لائے تھے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کو آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ غضبا پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں عصائے ممشوق تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُونٹ کو مارنے کے لیے عصا بلند کیا تو وہ میرے پیٹ پر لگا۔ معلوم نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمداً مارا یا سہواً۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''معاذ اللہ اگر میں نے عمداً ایسا کیا ہو۔'' پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال! فاطمہ (علیہا السلام) کے گھر جا اور وہی عصا لے آ۔ جب بلال رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر آئے تو بازار میں منادی کی کہ اے لوگو! کون ہے جو روزِ قیامت سے پہلے اپنے نفس کو قصاص کے لیے پیش کرے؟ اِس وقت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قیامت سے پہلے اپنا قصاص ادا کرنا چاہتے ہیں۔ پھر وہ سیّدۃُ النساء علیہا السلام کے دروازے پر پہنچے، دستک دی اور کہا، ''یا جناب فاطمہ علیہا السلام! حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا عصائے ممشوق طلب فرماتے ہیں۔'' جناب سیّدہ علیہا السلام نے فرمایا، ''اے بلال! آج تو عصا کا کوئی کام نہیں پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں طلب فرمایا ہے؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ''یا فاطمہ علیہا السلام! آپ نہیں جانتیں کہ آپ کے پدرِ بزرگوار منبر پر تشریف رکھتے ہیں اور تمام لوگوں کو وداع فرما رہے ہیں۔'' جب جناب سیّدہ علیہا السلام نے یہ سُنا تو فریاد کناں ہوئیں اور فرمایا، ''اے پدرِ بزرگوار! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم واندوہ پر میرا دل فِگار اور اندوہ گیں ہے۔ اے حبیبِ خدا و محبوبِ قلوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فقیروں، محتاجوں، بیچاروں اور غریبوں کی خبر کون لے گا؟ اور یہ لوگ کس سے پناہ مانگیں گے؟'' پس بلال رضی اللہ عنہ عصا لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصا لیا اور فرمایا، ''وہ مردِ پیر کہاں ہے؟'' اُس نے کہا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان، میں حاضر ہوں۔'' حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مجھ سے قصاص لے، کہ تُو راضی ہو۔'' اُس شخص نے کہا، ''یا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا شکم کھولیے۔'' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا شکم اقدس کھولا تو اُس نے کہا، ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں اجازت دیجئے کہ میں اپنا مُنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکم مبارک پر

رکھوں۔" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی تو اُس نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکمِ اطہر کو بوسہ دیا اور کہا، "میں آتشِ جہنم سے بروزِ قیامت پناہ مانگتا ہوں۔" رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "خداوندا! جس طرح سوادۃ نے تیرے پیغمبر کو عفو کیا تو بھی اسے عفو کر۔" یہ فرما کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اُترے اور حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ [1]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "الٰہی! میری اُمت کو آتشِ جہنم سے محفوظ رکھنا اور ان پر روزِ جزا حساب کو آسان فرمانا۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے کہا، "یا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ متغیر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جبرائیل (علیہ السلام) نے اس وقت مجھے خبرِ مرگ پہنچائی ہے پس تم پر سلام ہو کہ دُنیا میں اس دن کے بعد پھر کبھی آوازِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ سنو گی۔" حضرت اُمّ سلمہؓ نے جب یہ وحشت اثر خبر سُنی تو چلائیں اور کہا، "واحسرتا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا رنج والم مجھے ہُوا ہے کہ میں جس کا تدارک نہیں کر سکتی۔" تب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر جناب سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کی صدائے غم سنی، آنکھیں کھولیں اور فرمایا، "اے دخترِ گرامی! بہت جلد تم سے جُدائی ہوتی ہے اور تجھے وداع کرتا ہوں، اے بیٹی! تجھ پر سلام۔" یہ خبر جناب سیّدۃ نساء العالمین علیہا السلام کے دِل پر بجلی بن کر گری۔

شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر ایک یا دو روز ہی قیام فرمایا تھا کہ حضرت عائشہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لے گئیں۔ [2]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۴۵

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۱۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے آئے تھے۔ مرض میں شدت آ گئی تھی اس کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لینے حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہایت ضعف و ناتوانی سے قدم اُٹھاتے ہوئے چل دیے اور اس طرح مسجد پہنچے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ہاتھ جناب علی علیہ السلام کے کندھے پر اور دوسرا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر تھا۔ جب محراب کے قریب تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جگہ حضرت ابوبکرؓ نے نماز شروع کرادی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر اُنھیں پیچھے بلایا اور خود داخل محراب ہوئے اور دوبارہ نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد گھر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو طلب کیا اور فرمایا کہ کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ اُسامہ کے لشکر کے ساتھ جاؤ؟ سب نے اقرار کیا اور کہا کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو یہ حکم دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم نے میرے حکم کی اطاعت کیوں نہیں کی؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں گیا تھا لیکن اس لیے لوٹ آیا کہ اپنا عہد تازہ کروں۔ حضرت عمرؓ بولے کہ میں اس لیے نہ گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیمار پرسی کروں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ حکم دیا کہ لشکرِ اسامہ کے ہمراہ چلے جاؤ۔ پھر شدت مرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حالت ایسی ہوگئی کہ مسلمان رونے لگے اور آوازِ نوحہ و گریہ بر زنان و فرزندانِ حضرت اور صدائے غل و شور مردان و زنانِ مسلمانان بلند ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور فرمایا، ''دوات اور کتف گوسفند لاؤ کہ میں تمھارے لیے ایک نامہ لکھوں کہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔''[۱]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۱۲

حدیثِ قرطاس

وقتِ رحلت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوات اور کتف گوسفند لاؤ کہ میں تمھارے لیے ایک نامہ لکھ دوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو جاؤ تو اصحاب میں سے ایک شخص اُٹھ کھڑا ہُوا تاکہ دوات اور کتف گوسفند لائے۔ کسی نے کہا کہ واپس آجاؤ پھر نازیبا الفاظ استعمال کیے اور کہا کہ ہم کو کتابِ خدا ہی کافی ہے۔ اس پر جو لوگ وہاں موجود تھے اُن میں اختلاف پیدا ہو گیا، کچھ نے کہا کہ قلم لایا جائے اور بعض نے کہا کہ نہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب کیا ہے کیا ہم وہ لائیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان بیہودہ باتوں کے بعد جو میں نے تم سے سُنی ہیں اب مجھے دوات و قلم کی حاجت نہیں لیکن میں تمھیں وصیّت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نیک سلوک کرنا اور روگردانی نہ کرنا۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ حدیثِ دوات و کاغذ صحیح بخاری و مسلم اور جمعی کتب معتبرہ اہلِ سنت میں ہے اور متعدد طریقوں سے مذکور ہے۔ اہلِ سنت نے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے اس طرح روایت کی ہے کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہ) اس قدر روئے کہ اُن کے آنسوؤں سے منبر مسجد بھیگ گیا اور کہا کہ روز پنجشنبہ! اور کون سا پنجشنبہ؟ وہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض شدید ہُوا اور حکم دیا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ کہ میں تمھارے لیے ایک وصیّت لکھوں کہ اس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ لوگوں نے آپس میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نزاع کی، کسی نے کلامِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان سے نسبت دی اور بروایتِ دیگر، کسی نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کی شدت ہے اور تمھارے پاس قرآن موجود ہے وہ ہم کو اور تم کو کافی ہے۔ یہ سُن کر لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا، بعضوں نے کہا کہ کاغذ و قلم لانا چاہیئے تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے لیے ایسی وصیّت لکھیں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو اور بعضوں نے دوسرے قول کو پسند کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک آوازیں بلند ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل تنگ ہو کر فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کہتے تھے کہ مصیبت اور بدترین مصیبت وہ تھی کہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحریرِ وصیّت سے مانع ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُوبرُو آوازیں بلند کیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا۔[۱]

واقعۂ قرطاس کو متعدد مؤرخین نے لکھا ہے مثلاً معروف محقق و مؤرخ مولانا شبلی نعمانی نے اسے اپنی کتاب ''الفاروق'' میں رقم کیا ہے۔[۲] علامہ علی نقی نقوی نے ''تاریخ اسلام'' میں بحوالہ ارشادات، اعلام الوریٰ، صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل، لکھا ہے۔[۳] اور علامہ محمد باقر مجلسی نے ''جلاء العیون'' میں بیان کیا ہے۔[۴] ان کے علاوہ بھی کئی محققین و مؤرخین و مؤلفین نے اس واقعے کو کتبِ سیر میں درج کیا ہے۔

واقعۂ قرطاس میں کئی پہلو قابلِ غور ہیں، مثلاً:

۱) وہ کون سی ایسی بات تھی جسے لکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلم دوات اور کاغذ طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمھارے لیے ایسی چیز لکھوں تاکہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو جاؤ؟ اور وہ بھی ایسے موقع پر فرما رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہے تھے۔

۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رِحلت کے بعد اُمت کے گمراہ ہو جانے کا امکان کس تنازُع پر ہو سکتا تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تحریر کے ذریعے نمٹا دینا چاہتے تھے؟

۳) کسی کو قلم دوات اور کاغذ لائے جانے پر اعتراض کیوں تھا؟ کیوں کہا کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے؟ یعنی وہ کیوں نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری اور اہم وصیّت زیرِ قلم آئے؟

۴) کیا اُن کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھنا چاہتے تھے؟

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۱۲، ۱۱۱۳

[۲] مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، الفارق صفحہ ۶۷ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی طبع اوّل ۱۹۹۱ء

[۳] علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۵۱۹ تا ۵۲۵

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۱۱

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ

علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں، ''تمام اہلِ مدینہ اور مہاجر و انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زیارت کے لیے مسجد میں حاضر ہوئے۔ تمام مرد و زن روتے پیٹتے تھے، بعض واویلا کرتے تھے اور ''اِنَّا لِلّٰہ'' کہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اُس وقت) آخری خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کبھی ضعف و ناتوانی کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو جاتے اور (ذرا توقف کے بعد) پھر خطبہ شروع فرماتے۔ اثنائے خطبہ میں ارشاد فرمایا، ''اے گروہِ مہاجر و انصار اور جو شخص اس وقت یہاں موجود ہے، آدمیوں اور جنّات، سب سے میرا خطاب ہے کہ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں تم اُن لوگوں کو بھی پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں اور حق کو نہ چھپاؤ کہ میں اب جاتا ہوں اور تم میں کتابِ خدا چھوڑے جاتا ہوں جو کہ منور بنورِ ہدایت ہے اور جس چیز کی اُمت محتاج ہو اُس سب کا بیان اس میں ہے اور حُجّتِ خدا تم پر ہے میری طرف سے اور میں تم میں ''عِلمِ اکبر'' چھوڑے جاتا ہوں کہ وہ نشانِ راہِ دین اور نورِ ہدایت ہے اور وہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) میرا وصی ہے وہ ریسمان محکم خدا ہے (اللہ کی مضبوط ڈوری ہے)۔ لازم ہے کہ تم سب اس سے متمسک رہو، اس سے پراگندہ (متذبذب، متردّد، منتشر) نہ ہو اور نعمتِ خدا کو یاد کرو۔ اے لوگو! علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) عِلم و حکمت میں خدا کا خزانہ ہے، جو شخص اس کو دوست رکھے اُس نے عہدِ خدا کو وفا کیا اور جو اس سے دشمنی کرے وہ قیامت کے دن اندھا اور بہرا محشور ہو گا۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیّت برائے غسل، کفن و دفن

جناب سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ یا علی! مجھے غسل تم دینا، تمھارے سوا اور کوئی مجھے غسل نہ دے کہ اندھا ہو جائے گا۔ علی علیہ السلام نے اس کا سبب دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل (علیہ السلام) نے ربِ جلیل کا ارشاد اسی طرح بیان کیا ہے کہ تمھارے انتقال کے بعد جس کی نظر تمھارے بدن پر پڑے گی وہ اندھا ہو جائے گا۔

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۱۴

حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اکیلا کیسے غسل دے سکوں گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل و اسماعیل (علیہم السلام) جو کہ آسمانِ اوّل پر موکل ہیں میرے غسل میں تمھاری مدد کریں گے۔ علی علیہ السلام ے عرض کیا کہ پانی کون دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فضل بن عباس (رضی اللہ عنہ) لیکن اُس کو چاہیے کہ اپنی آنکھیں بند رکھے کہ میرے بدن پر نظر نہ پڑے کیونکہ سوائے تمھارے سب مردوں اور عورتوں پر حرام ہے کہ میرے بدن پر نظر کریں۔ اے علی! جب تم مجھے تختے پر رکھنا اور میرے بدن کو دھونا تو چاہِ غرس کے پانی کے چالیس ڈول میرے بدن پر ڈالنا۔ جب غسل سے فارغ ہونا تو یہاں تک توقف کرنا کہ جبرائیل (علیہ السلام) تم کو اجازت دیں، پھر مجھے اُسی جگہ دفن کرنا جہاں میری روح قبض ہو اور کفن تین جاموں کا دینا جن میں سے ایک جامہ یمنی ہو۔ تمھارے سوا کوئی دوسرا میری قبر میں نہ آئے۔ فاطمہ (علیہا السلام) اور حسنین (علیہم السلام) کے ہمراہ مجھ پر نماز پڑھنا اور پچھتر (۷۵) مرتبہ تکبیر کہنا۔ اس کے بعد میرے گھر کے مرد جوق در جوق مجھ پر نماز پڑھیں اور اُن کے بعد خواتین اور پھر (باقی) تمام لوگ مجھ پر نماز پڑھیں۔[1]

(واضح رہے کہ یہاں نماز سے مراد دُرود و سلام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ میں دُرود و سلام ہی پڑھا گیا۔ اس کی تفصیل کتاب ہذا کے باب ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ'' میں صفحہ ۷۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مؤلف)

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے جو مجھ پر نماز پڑھے گا وہ خداوند جبار ہے جو کہ عرشِ عظمت و جلال پر مجھ پر صلوٰۃ بھیجے گا۔ بعد ازاں جبرائیل و میکائیل و اسرافیل (علیہم السلام) لشکر ہائے ملائکہ کے ساتھ کہ جن کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مجھ پر نماز پڑھیں گے۔ ان کے بعد وہ ملائکہ نماز پڑھیں گے جو عرشِ الٰہی کو احاطہ کیے ہوئے ہیں پھر ساکنانِ ہر آسمان ایک دوسرے کے بعد مجھ پر نماز پڑھیں گے۔ اُن کے بعد میرے جمیع اہل بیت (علیہم السلام) اور میری بیبیاں بحسبِ مراتب اشارہ اور سلام (درود وسلام) مجھ پر کریں گے جو حق اشارہ وسلام

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۲۵، ۱۲۶

کرنے کا ہے۔ پھر تم لوگ جوق در جوق اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کرنا اور مجھے آزار نہ دینا اور لازم ہے کہ سب سے پہلے آدمیوں سے وہ مجھ پر نماز پڑھے گا جو میرے اہل بیت (علیہم السلام) میں سے (سب سے زیادہ) مجھ سے قریب ہوگا اُس کے بعد میرے اہل بیت (علیہم السلام) کی عورتیں اور لڑکے اور اُن کے بعد اور لوگ نماز پڑھیں گے۔ [1]

بیٹی اور بھائی سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گفتگو

وقتِ رحلت جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین (علیہم السلام) کو بلایا، باقی سب افراد کو گھر سے باہر کر دیا اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ دروازے کے قریب کھڑی رہیں اور کسی کو دروازے کے پاس نہ آنے دیں۔ پھر فرمایا، یا علی (علیہ السلام) میرے نزدیک آؤ کہ اب وقتِ وداع ہے، پھر اپنی نُورِ دیدہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہاتھ اپنے منہ پر رکھا اور دستِ مبارک سے اُن کا ہاتھ پکڑا اور بچشم حسرت و یاس دونوں کو دیکھا۔ جناب سیّدہ علیہا السلام اپنے پدر بزرگوار کے سینے سے لپٹ گئیں اور بوسے لینے لگیں۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور جگرخراش نالۂ آہ بلند تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسن و حسین (علیہم السلام) کو گود میں لیا پھر فاطمہ علیہا السلام کا ہاتھ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا، ''یا علی! یہ امانتِ خدا اور امانتِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے کہ بحرمتِ خدا اور بحرمتِ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے حق میں رعایت کرنا، میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ بہترین زنانِ گذشتگان و آئندگان ہے اور یہ خدا کے نزدیک مریم (علیہا السلام) سے زیادہ بزرگ ہے۔ یا علی (علیہ السلام)! واضح ہو کہ جس سے میری بیٹی راضی ہے میں اُس سے راضی ہوں اور اسی طرح پروردگار اور ملائکہ بھی اُس سے خوش ہیں جس سے فاطمہ (علیہا السلام) خوش ہے۔ اے علی (علیہ السلام)! وائے اُس پر جو اس پر ظلم و ستم کرے اور عذابِ جہنم و ہلاکت اُس کے لیے جو اس کا حق غصب کرے، اس کا دِل دُکھائے اور اس کی ہتکِ عزت کرے۔'' یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب فاطمہ علیہا السلام کو آغوشِ مبارک میں لے لیا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں سے آنسو مانند باراں جاری ہوئے اور ریشِ مبارک پر بہنے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰

لگے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سر مبارک اپنے سینے سے لگالیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رونے سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فاطمۃ الزہراء (علیہا السلام) کو سینے سے لگائے ہوئے تھے اور حسنین (علیہم السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدمہائے مبارک چوم رہے تھے اور اپنی آنکھوں سے مَل رہے تھے اور بصدائے بلند رو رہے تھے۔ اُس وقت جبرائیل (علیہ السلام) بھی وہاں موجود تھے اور میں اُن کے رونے کی آواز بھی سُن رہا تھا۔ گریۂ فاطمہ (علیہا السلام) سے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ گویا زمین وآسمان بھی گریہ وفغاں کررہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اے فاطمہ (علیہا السلام)! نہ رو کیوں کہ یہاں جس قدر یاور (مددگار، حمایتی) اور ہم نشیں یعنی ملائکہ بیٹھے ہیں اُن کو تیرے رونے سے اذیت پہنچ رہی ہے، اس وقت جبرائیل (علیہ السلام) ومیکائیل (علیہ السلام) وصاحبِ اسرارِ خُدا اسرافیل (علیہ السلام) سبھی تیرے رونے سے رورہے ہیں۔ اے فرزندۂ پسندیدہ ونورِ دیدہ! نہ رو کہ تمام آسمان وزمین کو تم نے رُلا دیا اور مہر وماہ اور مقربان درگاہ کو آہ وحسرت سے تیرہ (تاریک) کردیا۔ اے دخترِ گرامی! جمیع آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے اور عرش اعلیٰ وساکنان عالم بالا تیرے رونے سے روئے اور تیری نالہ وزاری سے گریہ وفغاں میں آئے۔ اے فاطمہ (علیہا السلام)! بخدا اُس وقت تک جمیع خلائقِ عالم پر بہشت حرام ہے جب تک کہ میں اُس میں داخل نہ ہولوں اور میرے بعد اے دُخترِ خوش خوش اور زیور وجامہ ہائے بہشت پہنے تُو داخلِ بہشت ہوگی۔ اے فاطمہ (علیہا السلام)! نعمت ہائے بہشت تجھے گوارا ہوں کہ بخدا تُو سب زنانِ بہشت سے بہتر ہے۔ اے بیٹی! بروزِ قیامت جہنم ایسا خروش کرے گا کہ جمیع ملائکہ، مقربین اور تمام پیغمبر (علیہم السلام) اس کی دہشت سے بیہوش ہوجائیں گے۔ اُس وقت حق تعالیٰ جہنم کو حکم کرے گا کہ اے جہنم! تجھے میری عزت کی قسم ساکن ہوجا اور تھم جا کہ فاطمہ (علیہا السلام) بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جانبِ بہشت گذر جائے اور تیرا غبار ودھواں اُس کے دامنِ عزت تک نہ پہنچنے پائے۔ اے بیٹی! تُو اس طرح بہشت میں داخل ہوگی کہ تیرے دائیں جانب حسن (علیہ السلام) اور بائیں جانب حسین (علیہ السلام) ہوں گے اور علمِ حمد، علی (علیہ السلام) کے ہاتھ میں ہوگا۔"[1]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۲۰ تا ۱۲۶

لختِ جگر سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری راز و نیاز

کتاب بشارت المصطفیٰ میں روایت ہے کہ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (آخری بار) بیمار ہوئے تو جناب فاطمہ علیہا السلام، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُس حال میں مشاہدہ فرمایا تو بیتاب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مُنہ پر گر پڑیں اور بہت روئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے فاطمہ (علیہا السلام)! نہ رو اور صبر اختیار کر۔'' یہ سُن کر حضرت سیّدہ علیہا السلام اُٹھیں۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چشم ہائے مبارکہ سے آنسو جاری تھے۔ تین مرتبہ فرمایا، ''خداوندا! یہ میرے اہل بیت (علیہم السلام) ہیں اور میں ان کو تیرے اور ہر مومن کے سپرد کرتا ہوں۔''[1]

شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمال پر نظر فرماتیں، روتیں، کچھ بیان کرتیں اور شعر پڑھتیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آوازِ جناب سیّدہ علیہا السلام سُنی تو آنکھیں کھول دیں۔ جناب سیّدہ علیہا السلام کو اپنے قریب بلایا اور کان میں کوئی راز کہا جسے سُن کر جناب سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام شاد ہو گئیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رِحلت کے بعد امیر المومنین جناب علی علیہ السلام نے حضرت سیّدۃُ نساء العالمین علیہا السلام سے پوچھا کہ وہ راز کیا تھا جسے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کے کان میں کہا تو آپ کا غم واندوہ خوشی میں بدل گیا اور قلق واضطراب ختم ہو گیا؟ جناب سیّدہ فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے مجھے یہ خبر دی، ''میرے وصال کے بعد میرے اہل بیت (علیہم السلام) میں سے سب سے پہلے جو مجھ سے ملاقات کرے گا وہ تو ہے اور تیری مدتِ حیات میرے بعد بہت زیادہ نہیں ہو گی۔'' پس یہ سُن کر شدتِ اندوہ وغم میرا جاتا رہا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ مدتِ مفارقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زیادہ نہ ہو گی۔[2]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۳۷ بحوالہ بشارت المصطفیٰ

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۳۷، ۱۳۸

شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشتدادِ مرض کے وقت سیّدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کو بلایا۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائیں تو فرمایا ''مَرْحَبًا یَابِنْتِیْ'' (خوش آمدید میری بیٹی) اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دیکھتے تو کھڑے ہوجاتے، متوجہ و مستقبل ہو کر اُن کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے لیکن اُس وقت جب وہ آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگیں، اس کے بعد پھر کان میں کچھ کہا تو وہ خوش ہو کر ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ علیہا السلام سے کہا کہ میں نے کسی رونے والے کو ہنستا اور کسی غم کو خوشی کے ساتھ معاون و متصل نہیں دیکھا جیسا کہ آج دیکھا ہے، تو اس کا سبب کیا ہے؟ سیّدہ فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ یہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان راز کی بات ہے اس لیے میں اسے ظاہر نہیں کرسکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے اُس راز کو ظاہر نہیں فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دُنیا سے کوچ فرما گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے پھر اُن سے دریافت کیا کہ وہ بات کیا تھی؟ اُس وقت اُنھوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری اجل قریب آگئی ہے۔ یہ سُن کر میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اہل بیت (علیہم السلام) میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ اس پر میں ہنسنے لگی۔ پھر فرمایا کہ کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو؟ پہلی روایت دلالت کرتی ہے کہ خوشی و خندہ پہلے ملنے پر ہے اور نسائے اہلِ جنّت میں افضلیت اُس پر زائد ہے۔ مشہور قول کے مطابق سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد اور بعض کے مطابق تین ماہ بعد ہے۔ [1]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ باب ۲ ص ۴۸۶

ہزار ہا ابوابِ علم

ابن بابویہ، شیخ مفید، شیخ طوسی، صفار، شیخ طبرسی اور ابن شہر آشوب نے بسند ہائے متواترہ حضرت امیر المومنین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام و اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری مرض میں جناب علی علیہ السلام کسی ضروری کام کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے یاور، میرے دوست اور میرے بھائی کو بلاؤ۔ پس حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جناب علی علیہ السلام کو بلایا۔ جب علی علیہ السلام آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور اپنا دہن مبارک جناب علی علیہ السلام کے کان پر رکھ کر اپنا جامہ اُنھیں اوڑھایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پسینہ اُن پر اور اُن کا پسینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیر تک جناب علی علیہ السلام سے راز و نیاز فرماتے رہے۔ اکثر لوگ مکان کے پیچھے جمع تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ جب علی علیہ السلام باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ کون سا راز تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ سے کہا؟ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہزار بابِ علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے تعلیم فرمائے اور ہر ایک باب سے ہزار باب کھلتے ہیں۔[۱]

دوسری روایت میں ہے کہ (جب علی علیہ السلام باہر آئے تو) حضرت خضر علیہ السلام نے اُن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کی دہلیز پر دیکھا تو پوچھا کہ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ سے کوئی راز کہا ہے؟ علی علیہ السلام نے کہا کہ ہاں، عِلم کی ہزار قسمیں مجھے تعلیم فرمائی ہیں اور ہر قسم سے ہزار دوسری قسمیں نکلتی ہیں۔[۲] اسی ضمن میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب جناب علی علیہ السلام حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو اپنے لحاف میں چھپا کر اپنی آغوشِ مبارک

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۳۰، ۱۳۱

[۲] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۳۱

میں لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علی علیہ السلام سے کوئی راز کہہ رہے تھے یہاں تک کہ روحِ مقدس بدنِ اطہر سے مفارقت کرگئی۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ حضرت علی علیہ السلام کے جسم پر تھا۔ [۱]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ اورتمام ازواجِ مطہرات کووصیّت کی اور فرمایا،''میرے بھائی علی (علیہ السلام) کوبلاؤ۔'' حضرت علی علیہ السلام آئے اور سرہانے بیٹھ گئے اورحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''اے علی (علیہ السلام) فلاں یہودی کے چند درہم میرے ذمے ہیں جو اُس سے لشکرِ اُسامہ کی تیاری کے لیے قرض لیے تھے، اُس قرض کو میری طرف سے تم اُتارنا اور فرمایا اے علی (علیہ السلام) تم اُن اشخاص میں پہلے ہوگے جو حوضِ کوثر پر مجھ سے ملیں گے اور میرے بعد بہت سی ناگوار باتیں تمھیں پیش آئیں گی مگر تم دِل تنگ نہ کرنا اورصبر کرنا اور جب تم دیکھو کہ لوگ دُنیا کو پسند کرتے ہیں تو تم آخرت کو اختیار کرلینا۔'' حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے گفتگو فرمارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعابِ دہنِ مبارک مجھ پر پہنچ رہا تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال متغیر ہوگیا۔ حاکم اورابن سعد طریق متعددہ سے روایت کرتے ہیں کہ آخر وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرِ مبارک حضرت علی علیہ السلام کے زانو پر تھا۔ [۲]

ابن بابویہ نے بسند معتبر امیرالمومنین جناب علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ وفات ہُوا تو مجھے بلایا اور فرمایا،''یاعلی! تم میرے وصی اور میرے خلیفہ میری حیات اور میری وفات میں میرے اہل بیت اور اُمت میں ہو۔ تمھارا دوست میرا دوست اور میرا دوست خدا کا دوست اور تمھارا دشمن میرا دشمن اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ یاعلی! جو تمھارا منکرِ امامت میرے بعد میں ہے وہ منکرِ رسالت میری حیات میں ہے۔ یاعلی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔'' پس مجھے قریب بلایا اور ہزار بابِ علم مجھ پر کھول دیے کہ ہر باب سے ہزار باب مفتوح

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۳۱

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ باب ۲ ص ۵۰۰ بحوالہ حاکم وابن سعد

ہوئے۔'' بروایتے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہزار بابِ حلال وحرام اور جو کچھ اب تک گذرا اور جو کچھ تا قیامت گذرے گا مجھے تعلیم فرمائے کہ ہر باب سے ہزار باب مجھ پر مفتوح ہوئے (کھولے گئے) یہاں تک کہ مرگ وبلاہائے مردم پر مطلع ہُوا اور حکم ہائے حق جو درمیان مردم ضروری ہیں اُن کو جان لیا۔ [1]

سپردگی میراث

وقتِ آخر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا، ''یا علی (علیہ السلام)! تم میری میراث لو کہ یہ تم سے مخصوص ہے اور کسی کو اس میں نزاع (جھگڑا، فساد) نہیں، میری وصیّت قبول کرو اور میرے وعدوں پر عمل کرو اور میرے قرض کو ادا کرو۔ یا علی (علیہ السلام)! تم میرے خلیفہ ہو، میرے اہل بیت (علیہم السلام) میں ہو اور میرے بعد لوگوں پر میری رسالت کی تبلیغ کرو۔''

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میں نے نظر کی اور دیکھا کہ سرِ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شدتِ مرض سے میرے دامن میں کانپ رہا ہے تو میں بیتاب ہو گیا اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ کر حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے روئے مبارک پر ٹپکے، میرا دل تڑپنے لگا اور میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کوئی جواب نہ دے سکا۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے دوسری مرتبہ اعادہ فرمایا اور پھر رقت نے مجھ پر جوش کیا اور میں نے بصدائے ضعیف کہا، ''ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے پدر و مادر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر فدا ہوں، میں نے قبول کیا۔'' حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مجھے بٹھاؤ۔'' میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پشتِ مبارک کو میرے سینے سے لگایا اور فرمایا یا علی! تم ہی میرے وصی اور خلیفہ ہو میرے اہل بیت (علیہم السلام) اور میری اُمت میں۔ پھر بلال (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا، ''بلال (رضی اللہ عنہ) جاؤ اور میرا خود جس کا نام ''ذوالجبیں'' ہے اور میری زِرّہ جسے ''ذات العقول'' کہتے ہیں اور میرا علَم جسے ''عقاب'' کہتے ہیں اور میری

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۳۱

شمشیر جسے ''ذوالفقار'' کہتے ہیں اور میرا عمامہ جسے ''سحاب'' کہتے ہیں اور دوسرا عمامہ جسے ''اضحیہ'' کہتے ہیں اور میری چادر اور میرا ''ابرقہ'' اور میرا عصائے کُوچک (چھوٹا عصا) اور میری چھڑی جسے ''ممشوق'' کہتے ہیں لے آوٴ۔'' حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے وہ ابرقہ پہلے نہ دیکھا تھا اور جب وہ قریب آیا تو یوں لگتا تھا کہ اُس کا نور نگاہوں کو خیرہ کردے۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''یاعلی! جبرائیل (علیہ السلام) یہ جامہ میرے لیے لائے تھے۔ پھر دو جوڑی نعلینِ عربی کی طلب فرمائی اور وہ پیراہن جو شبِ معراج پہنا تھا اور وہ پیراہن جو بروزِ اُحد پہنا تھا اور وہ ٹوپی جو عید کے دن پہنتے تھے اور وہ ٹوپی جو پہن کر اصحابؓ میں رونق افروز ہوتے تھے۔ پھر فرمایا، ''اے بلال! میرے دونوں خچر جن میں ایک کا نام ''شیبا'' اور دوسرے کا ''دُلدُل'' ہے لے آوٴ اور میرے دوناقے جن میں ایک کا نام ''غضبا'' اور دوسرے کا ''صھبا'' ہے اور میرے دوگھوڑے جن میں ایک کا نام ''جناح'' اور دوسرے کا ''حیزوم'' ہے، لے آوٴ۔ جناح وہ گھوڑا تھا جو مسجد کے دروازے پر حاضر رہتا تھا اور حضرت جس کسی کو کہیں جانے کا حکم دیتے تھے وہ اُس پر سوار ہو کر جاتا تھا اور حیزوم وہ تھا جس پر بروز جنگِ اُحد سوار تھے اور جبرائیل (علیہ السلام) کہتے تھے، ''چل اے حیزوم!'' اور اپنا دراز گوش طلب فرمایا جسے ''یعفور'' کہتے تھے۔ جب بلال (رضی اللہ عنہ) نے اُن سب کو حاضر کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور فرمایا کہ علی (علیہ السلام) کی جگہ اب تم بیٹھو کہ میں اپنی پیٹھ کا تکیہ کروں اور مجھ سے فرمایا کہ یاعلی! اُٹھو اور ان سب پر میری زندگی میں قبضہ کرو کہ یہ جماعتِ مردم جو اِس وقت یہاں حاضر ہیں سب گواہ ہو جائیں اور میرے بعد کوئی تم سے نزاع نہ کرسکے۔''

جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا، ''میں اُٹھا حال آنکہ (غم کی وجہ سے) میرے پاوٴں میں چلنے کی طاقت نہ تھی۔ پس نہایت دِقّت سے وہ تبرکات لے کر اپنے گھر آیا اور جب پھر خدمت میں حاضر ہُوا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک مجھ پر پڑی تو اپنے دستِ حق پرست سے انگشتری مبارک نکال کر میرے ہاتھ میں پہنا دی، اُس وقت گھر

تمام مسلمانوں اور بنی ہاشم سے بھرا ہُوا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باوجود اُس ضعف کے کہ سرِ اقدس ہلانا دشوار تھا سرِ مبارک کو دائیں بائیں حرکت دی اور باآوازِ بلند فرمایا (کہ سب نے سنا)، ''اے گروہ مسلمانان! علی (علیہ السلام) میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا خلیفہ اور میرے اہل بیت و کرامت میں ہے۔ اور علی (علیہ السلام) میرا دَین (قرض) ادا کرے گا اور میرے وعدوں کو وفا کرے گا۔ اے فرزندانِ ہاشم و فرزندانِ عبدالمطلب اور اے گروہ مسلمانان! علی (علیہ السلام) سے دشمنی نہ کرنا اور اس کے اَمر کی مخالفت نہ کرنا کہ گمراہ ہو جاؤ گے اور علی (علیہ السلام) پر حسد نہ کرنا اور اس کو چھوڑ کر دوسری طرف نہ جانا کہ کافر ہو جاؤ گے۔'' حضرت علی (علیہ السلام) کہتے ہیں، ''پھر مجھ سے فرمایا کہ مجھے لٹا دو اور لیٹتے ہی بلال (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ میرے دونوں فرزندان حسن (علیہ السلام) اور حسین (علیہ السلام) کو لے آؤ۔ جب حسن اور حسین (علیہم السلام) آ گئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں کو سینے سے لگایا اور دونوں گُل بوستانِ رسالت کو سونگھنے اور پیار کرنے لگے۔ میں نے اس خیال سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آرام میں خلل نہ ہو حسنین (علیہم السلام) کو الگ کرنا چاہا لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا علی! رہنے دو کہ میں اِن کو سونگھوں اور یہ مجھے سونگھیں اور یہ اپنا توشہ میری ملاقات سے اور میں اپنا توشہ اِن کو دیکھنے سے حاصل کروں کیونکہ یہ دونوں میرے بعد عظیم مصیبتوں اور بلاؤں میں گھر جائیں گے اور خدا اُن پر لعنت کرے جو اِن پر ظلم وستم کریں۔'' پھر فرمایا، ''خدایا! میں نے ان دونوں کو تیرے اور علی (علیہ السلام) کے سپرد کیا۔''[1]

جبرائیل علیہ السلام کی عیادت

جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آخری علالت میں جبرائیل علیہ السلام ہر روز وشب نازل ہوتے تھے اور کہتے تھے ''السَّلامُ علیك یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! پروردگار نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۲۸ تا ۱۳۱

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کیا حال ہے؟ اگر چہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر جانتا ہے لیکن چاہتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شرف وکرامت کو زیادہ کرے جس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جمیع خلق پر فضیلت دی اور چاہتا ہے کہ بیماروں کی عیادت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمت میں سنت ہوجائے۔" اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے کہ جبرائیل مجھے درد ہے۔ جبرائیل (علیہ السلام) کہتے یا حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کوئی شخص حق تعالیٰ کے نزدیک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ معزز نہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو درد اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صدائے دُعا کا سُننا (حق تعالیٰ کو) اچھا لگتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درجے بہشت میں بلند فرمائے۔ اور اگر حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے کہ میں راحت میں ہوں تو جبرائیل (علیہ السلام) کہتے کہ یا حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس پر خدا کی حمد کیجئے کہ وہ حمد کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور اپنی نعمتوں کو اُن پر زیادہ کرتا ہے۔[1]

ملکُ الموت کا اجازت طلب کرنا

ابن شہر آشوب نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدتِ مرض سے حالتِ خواب میں تھے کہ ناگاہ کسی نے دروازے پر دستک دی، جناب سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے فرمایا کہ کون ہے؟ آواز آئی "میں ایک غریب شخص ہوں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے آیا ہوں، کیا مجھے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے؟" جناب سیّدہ علیہا السلام نے فرمایا، "خدا تجھ پر رحمت کرے چلا جا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل ہیں اور تجھ سے بات نہ کرسکیں گے۔" یہ سُن کر وہ شخص چلا گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر آ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا، "ایک غریب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔" اُس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے، آنکھیں کھولیں اور جناب سیّدہ علیہا السلام سے

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۰

فرمایا، ''اے فاطمہ (علیہا السلام)! کیا تم جانتی ہو کہ یہ شخص کون ہے؟'' حضرت فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا، ''اے پدرِ بزرگوار! میں نہیں جانتی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''یہ جماعت کو منتشر کرنے والا اور لذتوں کو برطرف کرنے والا ہے، اے فاطمہ (علیہا السلام)! یہ ملکُ الموت ہے، اس نے مجھ سے پہلے کبھی کسی سے اجازت نہیں لی اور نہ ہی میرے بعد کسی سے لے گا۔ مجھے جو مقام اپنے پروردگار کے حضور حاصل ہے اُس کی وجہ سے یہ اجازت مانگ رہا ہے لہٰذا اے فاطمہ (علیہا السلام)! اسے اندر آنے کی اجازت دو۔'' سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے فرمایا، ''خدا تم پر رحمت کرے گھر میں آجاؤ۔'' پس مثلِ نسیمِ تُند ملک ُالموت گھر میں داخل ہوئے اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجا، کہا، ''اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہ''[1]

''کشفُ الغُمۃ'' میں روایت ہے کہ وقتِ وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہی۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام باہر تشریف لائے اور اُس سے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ اُس شخص نے کہا کہ میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ جناب علی علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اُس شخص کے لیے اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے کہو آجائے۔ جب وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے بیٹھا تو عرض کیا کہ یا پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں حق تعالیٰ کی طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُس شخص نے کہا کہ میں ملک ُالموت ہوں مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اختیار دیا ہے کہ خواہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دُنیا میں تشریف رکھیں یا لِقائے پروردگار (اپنے پروردگار کا دیدار) قبول فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل (علیہ السلام) کو آنے دو تاکہ میں اُن سے مشورہ کرلوں۔ جب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو کہا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے دُنیا سے آخرت بہتر ہے کیونکہ حق تعالیٰ آخرت میں ایسے قرب وکرامت اور منزلت کے درجے اور شفاعت عطا فرمائے گا کہ آپ

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۴۸

(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بہت خوش ہوں گے۔ لقائے دُنیا سے بہتر و برتر لقائے پروردگار ہے۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ملکُ الموت سے فرمایا کہ اُس کام کو بجالاؤ جس پر تم خدا کی طرف سے ماموروِ مقرر رہو۔[1]

ابن بابویہ نے بسندِ معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ قریش کے دو افراد امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بارے میں بتاؤں؟ اُنھوں نے کہا، ''جی ہاں۔'' آپ نے فرمایا کہ میرے پدرِ بزرگوار نے بتایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات سے تین روز پہلے جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا، ''اے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! حق تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فضل اور بزرگی کے سبب مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس بھیجا ہے، اور اس کے باوجود کہ وہ خوب جانتا ہے، پوچھا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کیسے ہیں؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اے جبرائیل (علیہ السلام)! میں بے چین ہوں۔ جب تیسرا روز ہُوا تو جبرائیل علیہ السلام ملکُ الموت کے ہمراہ پھر حاضر ہوئے، اُن کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام موکلِ ہوا اور ستر ہزار دیگر فرشتے بھی تھے۔ سب سے پہلے جبرائیل علیہ السلام وہی پیغام لے کر حاضر ہوئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر ملکُ الموت نے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا، ''حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! یہ ملکُ الموت ہے اور گھر میں آنے کی اجازت مانگتا ہے، اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے پہلے کبھی کسی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ ہی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد کسی سے مانگے گا۔'' حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اجازت ہے، آئیں۔'' جب ملکُ الموت حاضر ہوئے تو ادب سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں کھڑے ہوئے اور عرض کیا، ''یا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! حق تعالیٰ نے مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس بھیجا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اطاعت کروں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہو تو رُوح قبض کروں ورنہ لوٹ جاؤں۔'' آنحضرت

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی، جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۴۹ بحوالہ کشف الغمہ۔ مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۹۸

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے ملک! اگر میں تم کو حکم دوں کہ لوٹ جاؤ تو کیا تم واقعی بغیر رُوح قبض کیے لوٹ جاؤ گے؟'' ملکُ الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام) نے عرض کی، ''جی ہاں یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے یہی حکم ہُوا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ فرمائیں میں اُس کی اطاعت کروں۔'' اُس وقت جبرائیل علیہ السلام نے کہا، ''یا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! حق تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملاقات کا مشتاق ہے۔'' یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے ملکُ الموت! جس کام پر تم مامور ہوئے ہو اُسے سرانجام دو۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت

اکثر علمائے خاصہ وعامہ، شیعہ وسنی کا کہنا ہے کہ سیّد الانبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وصال دوشنبہ (بروز پیر) کو ہُوا۔ بعض شیعہ علما کا بیان ہے کہ اُس دن ماہِ صفر کی اٹھائیس تاریخ تھی اور بعض علمائے اہل سنت ربیع الاوّل کی پہلی، کچھ دوسری، چند آٹھویں، کوئی دسویں اور متعدد بارہویں تاریخ کہتے ہیں اور محمد بن یعقوب کلینی بھی اسی قول کے قائل ہیں۔ اس میں اختلاف نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سِن تریسٹھ (۶۳) برس تھا اور وہ ہجرت کا دسواں سال تھا جیسا کہ ''کشفُ الغُمة'' میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں سالِ ہجرت میں انتقال فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کے تریسٹھ سال (۶۳) گذرے تھے۔ چالیس (۴۰) سال مکّہ میں رہے کہ وحی نازل ہوئی اور اس کے بعد تیرہ (۱۳) سال اور مکّہ میں رہے اور جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اُس وقت ترپن (۵۳) سال عمر مبارک کے گزرے تھے اور دس (۱۰) سال ہجرت کے بعد مدینہ میں رہے اور وفات دوسری ربیع الاوّل بروز شنبہ (ہفتہ) واقع ہوئی۔ ''کشفُ الغُمة'' کے مؤلف فرماتے ہیں کہ اس قول کا علمائے شیعہ میں سے کوئی قائل نہیں۔[2]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۰

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ص ۸ ۱۳ بحوالہ کشف الغمہ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چالیس (۴۰) سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ میں تیرہ (۱۳) سال اور مدینہ میں دس (۱۰) سال رہے پھر تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں وفات پائی۔ ایک جگہ کہا کہ پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر میں وفات پائی۔[۱] حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں وفات پائی۔[۲] حضرت عائشہؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں وفات پائی۔[۳]

جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ اطہر نے میری آغوش میں مفارقت کی۔ جب روحِ اقدس کو قبض کیا گیا تو اُس وقت سرِ مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میرے سینے پر تھا اور میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مُنہ کی جانب اُٹھالیا۔[۴]
شیخ طوسی نے روایت کی ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ نے فرمایا، ''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمِ بقا کی طرف رِحلت فرمائی تو میں نے اپنا ہاتھ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک پر رکھا۔ پس کئی ہفتہ تک جب کھانا کھاتی یا وضو کرتی تو میرے ہاتھ سے مُشک کی خوشبو آتی تھی۔[۵]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ۝

---

[۱] جامع ترمذی، ج ۲، حدیث ۳۳۹۷، ص ۵۲۲

[۲] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۳۹۹، ص ۵۲۲

[۳] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۲۷، ص ۵۲۲

[۴] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۴

[۵] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۵

سببِ رِحلت

احادیثِ معتبرہ میں وارد ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''شہید'' ہوکر دُنیا سے گئے تھے۔ چنانچہ صفار نے بسندِ معتبر حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دستِ بُزغالہ (بکری کی دستی یعنی شانے کا گوشت) میں زہر دیا گیا اور جب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لقمہ تناول فرمایا تو اُس گوشت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے زہر آلود کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مرضِ موت میں فرماتے تھے کہ آج کے دن اُس زہر نے جو میں نے خیبر کے دن چکھا تھا، میری کمر کو شکستہ کیا ہے اور ہر پیغمبر اور پیغمبر کا وصی شہید ہوکر ہی دُنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ اور دوسری روایت میں فرمایا کہ زنِ یہودیہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کتفِ گوسفند (بکری کے شانے کا گوشت) میں زہر دیا اور جب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سے کچھ تناول فرمایا تو اس کتفِ گوسفند نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے پھینک دیا۔ وہی زہر ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم مبارک میں اثر کرتا تھا یہاں تک کہ اُسی کی وجہ سے رِحلت فرمائی۔ [1]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غسل

شیخ مفید اور شیخ رضی الدین نے بسندِ معتبر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دارفنا سے عالم بقا کی طرف رِحلت فرمائی تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غسل کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) حاضر تھے اور فضل بن عباس (رضی اللہ عنہ) جناب امیر علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔ جب غسل سے فارغ ہوئے تو علی علیہ السلام نے کفن پہنایا اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روئے اقدس پر گر پڑے، چہرۂ مبارک کے بوسے لیے اور آہِ حسرت سینہ پُردرد سے کھینچی۔ [2]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۶

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۱

''بصائر الدرجات'' میں منقول ہے کہ جس دن جناب امیر علیہ السلام نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا حق تعالیٰ نے اُن پر کئی راز منکشف کیے۔ بسندِ معتبر، جناب صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے جناب امیر علیہ السلام کی آنکھیں روشن کر دیں اور جبرائیل علیہ السلام اور ملائکہ اور روح جو کہ شبِ قدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتے تھے اُن سب کو آپ منتہائے آسمان سے زمین تک دیکھتے تھے اور وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل اور نماز اور قبر تیار کرنے میں جناب امیر علیہ السلام کی اعانت کرتے تھے۔[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل کی طرف متوجہ ہُوا تو ملائکہ میرے معین و مددگار تھے۔ اُس وقت گھر اور اطرافِ خانہ صدائے ملائکہ سے بھرا ہُوا تھا۔ ایک گروہِ ملائکہ آسمان کی طرف جاتا اور دوسرا نیچے آتا اور میں اُن کی آوازیں سنتا تھا، وہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود بھیجتے تھے۔[2]

شیخ طوسی، شیخ طبرسی و جمیع محدثین نے روایت کی ہے کہ بروز شوریٰ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے منافقین پر حُجّت تمام کی اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سوائے میرے کوئی ایسا ہے جس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملائکہ مقربین کے ہمراہ غسل دیا ہو۔ وہ ملائکہ اپنے ہمراہ خوشبو اور گُلہائے بہشت کو لائے تھے اور اعضائے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جانب سے دوسری جانب پھیرتے تھے اور میں اُن کی باتیں سنتا تھا۔ سب نے یہ سُن کر کہا سوائے آپ کے کوئی ایسا نہیں۔

شیخ طوسی نے بسندِ معتبر روایت کی ہے کہ امام تقی علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا جناب امیر علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کے بعد خود بھی غسل کیا؟ آپ نے جواب دیا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طاہر و مطہر تھے لیکن جناب امیر علیہ السلام نے غسل کیا تا کہ سنت جاری رہے کہ جو شخص میّت کو چھوئے وہ غسل کرے۔[3]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۲ بحوالہ بصائر الدرجات

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۴

[3] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۷

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن

شیخ طوسی اور شیخ کلینی سے معتبر اسناد کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ایک چادر حریری سرخ اور دو جامۂ سفید سحارہ یمن سے۔[1]

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیض اور عمامہ نہیں تھے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عائشہؓ سے ذِکر کیا گیا کہ لوگ کہتے ہیں اس میں دو کپڑے تھے اور ایک چادر جس میں لکیریں کھینچی ہوئی تھیں۔ کہا کہ چادر لائی گئی تھی لیکن واپس کر دی گئی، اُس میں کفن نہیں دیا گیا۔[2]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ

حضرت امام حسن علیہ السلام سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ بعض لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بقیع میں دفن کریں اور حضرت ابوبکرؓ آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا، ''اے لوگو! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات و ممات میں ہمارے امام و پیشوا ہیں اور اُنھوں نے خود فرمایا ہے کہ میں وہیں دفن ہوں گا جہاں میری رُوح قبض کی جائے گی۔'' چنانچہ جناب امیر علیہ السلام دروازے کے آگے کھڑے ہو گئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھی پھر اصحاب کو اجازت دی۔ دس دس افراد اندر داخل ہوتے اور جنازے کے گرد کھڑے ہو جاتے۔ جناب امیر علیہ السلام اُن کے بیچ کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھتے تھے:[3]

''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۲

[2] جامع ترمذی، ج ۱ ص ۴۰۳ حدیث ۸۷۴

[3] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

تَسْلِیْمًا﴿۵۶﴾'' (بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود وسلام بھیجو جس طرح بھیجنے کا حق ہے۔) سب لوگ یہی آیت مبارکہ پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود بھیجتے اور باہر چلے جاتے یہاں تک کہ جمیع اہل مدینہ و اطرافِ مدینہ نے دُرود بھیجا۔ طبرسی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ دس دس آدمی جاتے اور بغیر امام (یعنی بغیر پیش نماز) اِسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ صبح سے رات اور رات سے اگلی صبح تک اور پھر رات تک یہاں تک کہ مدینہ و اطرافِ مدینہ سے جمیع خُرد و بزرگ (چھوٹے بڑے) اور مرد و زن نے اِسی طرح نماز پڑھی۔ اور کلینی نے بسندِ معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال کیا تو جمیع ملائکہ، مہاجرین و انصار فوج در فوج آئے اور نماز پڑھی۔[۱]

کتاب احتجاج اور کتاب سلیم بن قیس ہلالی میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جناب امیر المومنین علیہ السلام حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل و کفن سے فارغ ہوئے تو مجھے، ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ علیہا السلام و حسنین علیہم السلام کو گھر لے گئے۔ آپ علیہ السلام آگے کھڑے ہوئے اور میں نے پیچھے صف باندھی اور حضرت پر نماز پڑھی۔ پس دس دس نفر کو داخلِ حجرہ فرماتے، لوگ دُرود بھیجتے اور باہر آتے یہاں تک کہ مہاجرین و انصار بھی فارغ ہوئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز وہی پڑھی گئی تھی جو جناب امیر علیہ السلام نے بیان فرمائی تھی۔[۲]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن

طبرسی نے معتبر سند سے روایت کی ہے کہ جب سب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو جناب امیر علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد میں داخل ہوئے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی قبر میں لے گئے۔ راوی نے جناب امیر علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ کس جگہ رکھا گیا

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ص ۱۵۳

[۲] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۳ بحوالہ کتاب احتجاج اور کتاب سلیم بن قیس

تھا؟ فرمایا کہ قبر کی پائنتی رکھا اور وہاں سے داخل قبر کیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو جبرائیل علیہ السلام اور ملائکہ اور روح جو کہ شبِ قدر میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے تھے، سب غسل دینے اور نماز پڑھنے میں جناب علی علیہ السلام کی اعانت کرتے تھے اور قبر کھودتے تھے اور بخدا سوائے ملائکہ کے کسی اور نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ اطہر نہیں کھودی یہاں تک کہ جناب علی علیہ السلام داخلِ قبر ہوئے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس میں اُتارا۔ جناب علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے جسدِ مطہر کو مرقدِ منور میں پنہاں کیا پس مجھ سے زیادہ کون حیات اور بعدِ وفات سزاوار ہے؟ کلینی نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ابوطلحہ انصاری نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد کھودی تھی۔ علما فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے بظاہر ایسا ہی ہو اور لوگوں نے ابوطلحہ کو لحد کھودتے دیکھا ہو جب کہ حقیقت میں ملائکہ کھودتے ہوں۔[۱] (یعنی ہوسکتا ہے کہ کوئی فرشتہ ابوطلحہ انصاری کی شکل میں نظر آرہا ہوں جیسا کہ غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر جبرائیل علیہ السلام صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حلیے میں آئے تھے۔)[۲]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر میں اینٹیں دیں اور قبرِ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سنگریزہ ہائے سرخ بھی بچھائے گئے۔ کلینی وصمیری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ جب میں انتقال کروں تو تم مجھے اسی مکان میں دفن کرنا اور میری قبر زمین سے چار انگشت اونچی کرنا اور اُس پر پانی چھڑکنا۔ شیخ طوسی نے دوسری حدیث میں روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کو زمین سے ایک بالشت اُونچا کیا گیا۔ ''جلاء العیون'' میں مؤلف فرماتے ہیں،''احادیث

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۲ تا ۱۵۴

[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۲۲۸

بخصوصِ بلندی چار انگشت بہت ہیں اور احتمال ہے کہ باعتبارِ اختلاف کئی ہوں، اس لیے چار انگشت کشادہ قبر قریب ایک بالشت کے ہے اور احتمال ہے کہ پہلے چار انگشت ہو اور بعد سنگریزے بچھانے ایک بالشت ہوگئی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث تقیہ پر محمول ہو۔[1]

شیخ مفید، شیخ طوسی، شیخ طبرسی اور جمیع محدثین فریقین روایت کرتے ہیں،[2] ''جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُنیا سے رِحلت فرمائی تو منافقین مہاجرین و انصار نے اہل بیت رسول (علیہم السلام) کو اُسی حال پر چھوڑ دیا اور اُن کی تعزیت کو آئے نہ متوجہ بہ تجہیز و تکفینِ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے۔ اسی وجہ سے اُن میں سے اکثر کو نمازِ جنازہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میسر نہ ہوئی۔ جناب امیر علیہ السلام نے بریدہ کو اُن کے پاس بھیجا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز پڑھنے حاضر ہوں مگر وہ نہ آئے یہاں تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر چکے تھے اور جب صبح ہوئی تو جناب سیّدہ علیہا السلام نے فریاد کی کہ ''واسوءصباحاً'' یعنی اے روزِ بد آ کہ تیرا دن ہے۔ اور لوگوں نے غنیمت جانا کہ جناب امیر علیہ السلام تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہیں اور بنی ہاشم حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبتِ جدائی میں بے قرار ہیں تو اُن سب نے آپس میں اتفاق کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ کریں جیسا کہ اُنھوں نے حالتِ حیاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مشورہ کیا تھا۔ انصار نے چاہا کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ کریں تو وہ مہاجرین کی برابری نہ کر سکے اور مغلوب ہوگئے۔ پھر بیعت حضرت ابوبکرؓ کی تمام ہوئی تو ایک شخص اُس وقت جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ علی علیہ السلام اُس وقت بیلچہ ہاتھ میں لیے ہوئے قبرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درست فرما رہے تھے۔ اُس شخص نے کہا کہ لوگوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی ہے اس خوف سے کہ جب آپ فارغ ہو جائیں تو خلافت طلب نہ کر سکیں۔ یہ سُن کر جناب امیر علیہ السلام نے بیلچہ ہاتھ سے زمین پر رکھ دیا اور یہ آیات پڑھیں:[3]

---

[1] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۴

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۶

[3] سورۃ العنکبوت، آیت ۱ تا ۴

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۴﴾ (ال م۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور اُن کا امتحان نہیں ہوگا۔ بیشک ہم نے ان سے پہلے والوں کا بھی امتحان لیا ہے اور اللہ تو بہر حال یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان میں کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں۔ کیا برائی کرنے والوں کا خیال یہ ہے کہ ہم سے آگے نکل جائیں گے یہ بہت غلط فیصلہ کر رہے ہیں)''

شبِ وصالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام

کلینی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جانبِ ریاضِ جنّت رِحلت فرمائی وہ رات اہل بیت (علیہم السلام) پر تمام راتوں سے طولانی تھی اور ایک ایسی حالت اُن پر طاری تھی کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آسمان کے نیچے ہیں یا زمین پر۔ حق تعالیٰ نے اس حالت میں ایک فرشتہ بھیجا۔ بروایتِ دیگر جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ دکھائی نہیں دیتے تھے مگر آواز سنائی دیتی تھی۔ اُنھوں نے کہا، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' پھر کہا، ''واضح ہو کہ خدا ہر مصیبت سے تسلی دینے والا اور ہر مہلکہ سے نجات دینے والا ہے اور ہر فوت شدہ چیز کا تدارک کرنے والا ہے۔'' پھر یہ آیت پڑھی:[۱] ''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾'' (ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمھارے اعمال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا، تو جو شخص آتشِ جہنم سے دُور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دُنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔)، پھر کہا حق

[۱] سورۃ آل عمران، آیت ۱۸۵

تعالیٰ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے، گناہوں اور عیبوں سے پاک کیا ہے اور تم کو اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اہل بیت کیا ہے اور اپنا علم تمھارے سپرد کیا ہے اور اپنی کتاب تمھاری میراث میں دی ہے اور تم کو اپنا صندوقِ علم کہا ہے اور تم کو اپنا عصائے عزت کیا ہے اور تمھارے واسطے اپنے نور سے مثال دی ہے اور تم کو معصوم گردانا ہے اور لغزشِ فتنہ وفساد سے تم کو بے خوف کیا ہے، پس خدا کے لیے صبر کرو۔ حق تعالیٰ تم سے اپنی رحمت دُور نہیں کرتا اور اپنی نعمت تم سے زائل نہیں فرماتا۔ بخدا! تم لوگ اہلِ خدا ہو، تمھارے سبب سے (خدا نے) اپنی نعمت کو خلق پر تمام کیا اور پراگندہ (منتشر) کو مجتمع کیا اور کلمات کو متفق کیا اور تم خدا کے دوست ہو جو کوئی تمھاری ولایت اختیار کرے وہ راستگار (صحیح راستے پر) ہے اور جو کوئی تم پر ستم کرے اور تمھارا حق تم سے چھین لے وہ ہلاکت میں ہے۔ حق تعالیٰ نے تمھاری محبت کو اپنی کتاب میں مومنوں پر واجب کیا اور خدا جس وقت چاہے تمھاری نصرت و مددگاری پر قادر ہے لہٰذا صبر کرو اور عافیت بخیر کے منتظر رہو کیونکہ بازگشت جمیع اُمور کی خدا کی طرف سے ہے اور پیغمبرِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم کو حق تعالیٰ کے سپرد کیا اور حق تعالیٰ نے قبول کیا اور تم کو زمین پر اپنے دوستوں اور مومنوں کے سپرد کیا جو شخص امانت ادائے الٰہی کرے اور تمھاری ولایت کو اپنے اُوپر واجب جانے اور تمھاری حُرمت کی رعایت کرے، حق تعالیٰ جزائے نیک اُس کو قیامت میں دے گا۔ تم لوگ امانتِ خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو اور تمھاری محبت واجب اور اطاعت فرض ہے، اور حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دُنیا سے نہیں گئے جب تک کہ دِین کو تمھارے لیے کامل نہیں کیا اور تمھارے لیے راہِ نجات کو واضح نہیں کیا اور کسی جاہل کے لیے کوئی حُجّت باقی نہیں اگر کوئی نادان ہو یا اظہارِ نادانی کرے یا کسی حق کا انکار کرے یا بھول جائے یا اظہارِ فراموشی کرے تو اُس کا حساب ہے اور خدا تمھاری حاجتیں برلانے والا ہے اور تم کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں، والسّلام۔'' راوی نے حضرت سے پوچھا کہ یہ تعزیت کس طرف سے تھی؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ تعزیت خدا کی طرف سے تھی۔ [۱]

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ۱ ص ۱۵۵، ۱۵۶

مصحفِ حضرت فاطمہ علیہا السلام

کلینی نے معتبر سند کے ساتھ حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو وفات پدرِ بزرگوار پر اُمت سے اِس درجہ حزن واندوہ ہُوا کہ بغیر حق تعالیٰ کوئی اُس حزن ورنج وغم سے واقف نہیں تھا۔ پس حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو جناب فاطمہ علیہا السلام کے پاس بھیجا کہ باتیں کریں اور شدتِ اندوہ وغم میں جناب سیّدہ علیہا السلام کو تسکین کریں۔ چنانچہ ہر روز جبرائیل علیہ السلام آتے اور دلجوئی وتسکین جناب سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کی فرماتے اور بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن کی ذریتِ طاہرہ پر جو جو مصیبتیں (دشمنوں کی طرف سے) آئیں گی اُن کا ذِکر کرتے تھے اور جو کچھ اُن کے دشمنوں پر عذاب ہوگا اُن سب کا حال بیان کرتے تھے۔ جب جناب سیّدہ علیہا السلام نے یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو جناب امیر علیہ السلام سے کہا کوئی شخص آتا ہے اور اس طرح کی خبریں سناتا ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا اے فاطمہ (علیہا السلام)! جب تمھارے پاس وہ آئے تو مجھے خبر کرنا۔ پس جس وقت جبرائیل علیہ السلام آتے جناب فاطمہ علیہا السلام حضرت امیر علیہ السلام کو خبر کرتی تھیں اور جو کچھ جبرائیل علیہ السلام کہتے جناب امیر علیہ السلام لکھ لیتے تھے یہاں تک کہ ایک کتاب جمع ہوگئی اور وہ مصحفِ فاطمہ علیہا السلام ہے کہ اُس میں احوالِ آئندہ تا روزِ قیامت مندرج ہیں اور وہ کتاب اب حضرت قائم آلِ محمد (علیہ السلام) کے پاس ہے۔ اور حضرت نے فرمایا کہ جناب فاطمہ علیہا السلام بعد رِحلتِ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچھتر (۷۵) دن زندہ رہیں اور ہمیشہ محزون وغمگین رہیں یہاں تک کہ اپنے پروردگار سے ملحق ہوگئیں۔ [۱]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[۱] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء) جلاء العیون، ج ا ص ۱۵۸

اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں، ''آپ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں نہایت کشادہ دِل، فیاض اور زبان کے نہایت سچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف اور غیر مبہم لب و لہجے میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبیعت کے بہت نرم اور خانوادے کے لحاظ سے مکرم و معزز تھے۔ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی مرتبہ دیکھتا تو اُس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھل مِل جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا:[2] ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾'' یعنی اے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بے شک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ اور ایک جگہ فرمایا:[3] ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾'' یعنی (اے لوگو!) بے شک تمھارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات میں (پیروی کے لیے) بہترین نمونہ موجود ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ (کی بارگاہ میں حاضری) اور قیامت (کے آنے) کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔ پس، رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ہر پہلو میں بندگانِ خدا کے لیے ایک بہترین اور کامل نمونہ متابعت کے واسطے موجود ہے۔

---

[1] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳۸
ترمذی۔ مشکوٰۃ (باب اسمآء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صفاتہ)

[2] سورۃ القلم، آیت ۴

[3] سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنتِ حسنہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''معرفت میری زندگی کا سرمایہ ہے، عقل میرے دِین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میرا مرکب (سواری) ہے، ذِکرِالٰہی میرا انیس (دوست) ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، غم میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میرا مالِ غنیمت ہے، عجز میرا فخر ہے، زُہد میرا پیشہ ہے، یقین میری قوّت ہے، صدق میرا حامی اور شفیع ہے، طاعت (عبادت/ بندگی) میری کفیل ہے، جہاد میرا خُلق ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[۱]

روایت ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق و کردار کیا ہے؟'' کہا، ''کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟'' اُنھوں نے جواب دیا، ''ہاں'' کہا، ''یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق یعنی اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ہے۔''[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حُسن سلوک

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے پدرِ بزرگوار جناب علی علیہ السلام سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ رویّہ کیسا تھا؟ جناب علی علیہ السلام نے فرمایا، ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ خوش اخلاق اور نرم خُو رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنگ دِل اور تنگ مزاج ہرگز نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فحش گوئی پسند نہیں تھی۔ کسی کا عیب بیان نہیں کرتے تھے۔ ناحق مزاح سے پرہیز کرتے۔ کسی کی بلاوجہ مداح نہیں کرتے تھے۔ جس چیز کو پسند نہ کرتے اُس سے تغافل فرماتے۔ کسی کو مایوس نہیں کرتے تھے اور کسی اُمیدوار کو ناکام ونامراد نہیں پلٹاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبر، کثرت طلبی اور بے مقصد گفتگو جیسی

[۱] ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۵۳۔ قاضی عیاض، کتابُ الشفاء

[۲] سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۱۳۴۲

تینوں صفات سے مُنزّہ تھے۔ آپ ﷺ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے اور کسی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے، نہ ہی کسی کی کمزوریوں کے درپے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ صرف وہی کلام کرتے جس کے ثواب کی اُمید رکھتے۔ جب گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے اصحابؓ ہمہ تن گوش ہوکر آپ ﷺ کے فرمان کو سنتے اور یوں خاموش رہتے جیسے کہ اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تو پھر صحابہؓ گفتگو کرتے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرتا تو صحابہؓ خاموش ہوکر سنا کرتے۔ صحابہؓ آپ ﷺ کے سامنے آپس میں جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ جب کبھی اصحابؓ مسکراتے تو آپ ﷺ بھی اُن کے ساتھ تبسم فرماتے اور جب وہ تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی اظہارِ تعجب کرتے۔ اگر کوئی بدّو آپ ﷺ کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا تو آپ ﷺ صبر فرماتے جب کہ صحابہؓ اُسے کھینچ کر بٹھا دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے کہ جب تم کسی حاجت مند کو حاجت کے لیے تگ و دَو کرتے ہوئے دیکھو تو اُس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ آپ ﷺ اپنے ہم پلہ کے سوا کسی کی ثنا قبول نہیں کرتے تھے۔ کسی کی بات پر آپ ﷺ کو ٹوکنے کی عادت نہیں تھی اور نہ ہی کسی کی گفتگو کے دوران میں اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔''[۱] آپ ﷺ کو جو شخص مدد کے لیے جہاں لے جانا چاہتا آپ ﷺ اُس کے ساتھ تشریف لے جاتے اور اُس کا کام کر دیتے۔[۲]

گھر میں رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل

ابوعبداللہ جدلی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کا برتاؤ اہلِ خانہ کے ساتھ کیسا تھا؟ جواب دیا، ''آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ احسن اخلاق کے مالک تھے۔ طبعاً یا تکلفاً فحش گوئی کی طرف کوئی میلان نہیں تھا، بازاروں میں آواز بلند

---

[۱] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۶

[۲] بخاری، مسلم

کرنے والے نہیں تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے تھے بلکہ عفوو درگذر سے کام لینے والے تھے۔'' حضرت عائشہؓ دوسری جگہ فرماتی ہیں ،'' دُنیا کا کوئی فرد بھی حُسنِ خلق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ برابری نہیں کرسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اخلاقِ حمیدہ کے مالک تھے۔[۱] حضرت عائشہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے اور گھر والوں کی خدمت کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کو چلے جاتے تھے۔[۲] حضرت عائشہؓ نے صحابہ کرامؓ کے استفسار پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جوتے خود مرمت کرلیا کرتے، اپنے کپڑے خود سی لیتے، اپنی بکری کا دُودھ خود دوھ لیتے اور اپنے گھر میں اُسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہو۔[۳]

گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے والد گرامی جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل کیسا ہوتا تھا؟ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاضرورت کلام نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے، اُنھیں خود سے متنفر نہیں ہونے دیتے تھے، ہر قوم کے سربراہ کا احترام کرتے تھے اور اُسے اُس کی قوم پر والی مقرر کرتے تھے۔ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، کسی کے ساتھ سختی روا نہیں رکھتے تھے اور بد اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ جو صحابی چند دن تک نہ آتا اُس کے بارے میں لوگوں سے دریافت فرماتے اور اُس کے حالات پوچھتے۔ اچھائی کی تعریف کرتے اور اُسے تقویت پہنچاتے اور بُرائی کی تنقیص کرتے اور اُسے کمزور کرنے کوشش کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کاموں میں اعتدال کو مدنظر رکھتے

---

[۱] ترمذی

[۲] بخاری

[۳] ترمذی

اور افراط وتفریط کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غفلت نہیں کرتے تھے کہ مبادا لوگ غفلت کرنے لگیں یا باطل کی طرف میلان پیدا کرلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امرِ حق سے کوتاہی نہیں کرتے تھے اور اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی کوتاہی کرنے سے منع فرماتے تھے۔ باکردار انسان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں افضل ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کے خیرخواہ تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں وہی قابلِ قدر ہوتا جو لوگوں کا زیادہ ہمدرد اور غمگسار ہوتا۔''[1]

مروی ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو سرِ راہ مل جاتے تو اُن کے ساتھ اُس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ رخصت نہ ہوجاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچّوں کے پاس سے گزرتے تو اُن کو سلام سے مشرف فرماتے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی جلدی بے سروپا باتیں نہیں کیا کرتے تھے بلکہ واضح انداز میں الفاظ جُدا جُدا کرکے بات کیا کرتے تھے تاکہ جو بیٹھا ہو یاد کرلے۔[3] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز نہایت شیریں اور دلکش تھی کہ کوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر شیریں کلام اور خوش آواز نہیں تھا۔ جو لب ولہجہ، فصاحت و بلاغت اور مخارجِ کلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھا اُس پر آج تک کوئی بھی قادر نہیں ہوسکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، ''اُوتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَاُخْتُصِرَ لِیَ الْکَلَامُ ''یعنی مجھے ''جوامِعَ الْکَلِمْ'' دیا گیا اور میرے لیے کلام کو مختصر کیا گیا۔ ''جوامِعَ الْکَلِمْ'' سے مراد وہ کلمات ہیں جو غایت اختصار میں ہوں اور معانی کثیرہ کے حامل ہوں۔[4] مثلاً جو خطوط و پیغامات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں،

---

[1] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ا ص ۵۵۴

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۴۶۸

[3] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۱۵

[4] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ا ص ۲۴

حاکموں اور بڑے بڑے اُمرائے وقت کو ارسال فرمائے ''جوامِعَ الْکَلِمْ'' کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن خطوط میں ہر قوم کو اُسی کے انداز میں مخاطب فرمایا تھا اور وہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر معانی ومعارف کا سمندر لیے ہوئے تھے۔

عیون اخبار الرضا علیہ السلام میں شیخ صدوق، امام رضا علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ماموں ہند بن ابی ہالہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اندازِ گفتگو کیسا تھا؟ اُنھوں نے کہا، ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیریں کلام تھے اور واضح الفاظ سے اپنا مافی الضمیر بیان کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام الفاظ کی کمی بیشی سے مُعرّا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام گفتگو جیسے موتیوں کی لڑی میں پروئی ہوئی ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائم الحزن (ہمیشہ غمگین رہنے والے) تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غور وفکر میں مصروف رہتے اور بلاضرورت کلام نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو مختصر مگر جامع ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم خو تھے اور بدخلق بالکل نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹی سے چھوٹی نعمت کی بھی قدر کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کی مدح نہیں کرتے تھے اور دُنیا اور متاعِ دُنیا کی وجہ سے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ جب حق وصداقت کا مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیر کی طرح غضب ناک ہوجاتے اور کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور جب تک حق کو سربلندی نہ ملتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت تک بے چین رہتے۔ جب اشارہ کرنا مطلوب ہوتا تو اپنے پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے اور جب کبھی کسی چیز پر تعجب ہوتا تو اُلٹے ہاتھ کا اشارہ کرتے، جب کلام کرتے تو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے قریب کرتے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر زور سے رکھتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ متغیر ہوجاتا۔ جب مسکراتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسکراہٹ خفیف ہوتی اور تبسم سے آگے تجاوز نہ کرتی۔'' امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عرصہ تک اس خبر کو اپنے بھائی حسین علیہ السلام سے مخفی رکھا

پھر ایک دن اُنھیں اس بات کی خبر کی تو پتا چلا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہند بن ابی ہالہ سے یہ سب سُن چکے تھے اور اُنھوں نے بتایا کہ اُنھوں نے ہمارے والد ماجد امیر المومنین علیہ السلام سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دخول وخروج اور اُن کی مجلس سے متعلق بھی سوال کیا تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دخول وخروج اور نشست عام

امیر المومنین جناب علی علیہ السلام نے فرمایا، ''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لاتے تو اپنے وقت کو تین حصّوں میں تقسیم فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کا ایک حصّہ اللہ کے لیے ہوتا تھا (جس میں عبادت کرتے)، ایک حصّہ افرادِ خانہ کے لیے ہوتا اور ایک حصّہ اپنے لیے ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بھرپور وقت دیا کرتے تھے جس میں ہر خاص وعام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مِل سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی محفل میں اہلِ فضل کو مقدم رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں فضیلت کا معیار احکامِ دِین کی پابندی پر منحصر تھا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل ومجالس

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے والد گرامی جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافل ومجالس سے متعلق پوچھا تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تو ذِکرِ خدا کرتے اور اُٹھتے تو ذِکرِ خدا کرتے۔ محفل میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور لوگوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے۔ تمام شرکائے محفل کو یکساں مستفید ہونے کا موقع دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ساتھی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پر کسی دوسرے کو ترجیح دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق تمام لوگوں

---

[1] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۲، ۵۵۳

[2] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۳

کے لیے وسیع تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے لیے شفیق والد کی طرح تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں حق کے لیے سب برابر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل حِلم وحیا اور صِدق وامانت کی محفل ہوتی تھی جس میں آوازیں بلند نہیں کی جاتی تھیں اور لوگوں کی خامیاں اور کمزوریاں بیان نہیں ہوتی تھیں۔ محفل کے باہمی تعلقات تقویٰ پر موقوف ہوتے تھے۔ شرکائے محفل ایک دوسرے سے تواضع سے پیش آتے تھے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کیا جاتا تھا۔ حاجت مند افراد کو اپنے اُوپر ترجیح دی جاتی تھی اور مسافروں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو وہ اپنی مُراد پا کر جاتا یا کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچھا فرمان سُن کر جاتا تھا۔" [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے اور اگر کبھی کچھ بچ جاتا اور رات ہو جاتی تو اُس وقت تک گھر تشریف نہ لے جاتے جب تک کہ کوئی مستحق نہ مِل جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مساکین کو اپنے دستِ مبارک سے کھانا کھلاتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب کبھی کوئی چیز مانگی گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار نہیں کیا۔ [2]

حضرت جابر بن عبداللہؓ اور دیگر کئی صحابہؓ بیان کرتے ہیں، "(ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی شے مانگی گئی ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انکار فرمایا ہو۔" [3] یعنی جب کبھی کسی سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے عطا فرما دی۔

روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا تو آپ

---

[1] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۵

[2] صحیح بخاری، ج ۳ حدیث ۹۹۴

[3] صحیح مسلم، ج ۳ حدیث ۱۵۱۷

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ عطا فرمایا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سب کچھ تمھیں دے دیا ہے، اب میرے پاس کچھ نہیں بچا اور میں تم سے کچھ چھپا کر نہیں رکھتا۔ (۱)

صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ حاجت مند افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی حاجت برآوری کے لیے کوشاں ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمت کو مسائل دِین بتاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو یہاں حاضر ہے اُس کو چاہیے کہ غیر حاضر تک یہ پیغام پہنچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی حاجت مجھ تک نہیں لا سکتا تم اُس کی حاجت مجھ تک لاؤ اور جو شخص ایسے شخص کی حاجت کسی حکمران تک لے جائے تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اُسے ثابت قدم رکھے گا۔ (۲)

لوگ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جھولیاں خالی لے کر آتے اور بھر کر لے جاتے، بے علم و بے بصیرت آتے اور صاحبانِ علم و دانش بن کر واپس جاتے۔ (۳)

حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کچھ مانگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے دے دیا، میں نے پھر مانگا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر دیا۔ (۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ۝

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۳ حدیث ۱۴۱۷

(۲) شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۳

(۳) شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۴

(۴) صحیح بخاری، ج ۱ حدیث ۱۴۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلم و درگذر

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُنیا اور دُنیاوی اشیا کی خاطر ناراض نہیں ہُوا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات کے لیے بھی ناراض نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی اس کے لیے بدلہ لیتے تھے۔ [1]

منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا گیا کہ مشرکوں کے لیے بددُعا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا اور نہ ہی کبھی کسی عورت پر ہاتھ اُٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو کبھی زدوکوب کے لیے استعمال نہیں کیا اور نہ ہی ایذا اور تکلیف دیے جانے پر کبھی کوئی انتقامی کاروائی کی۔ [3]

بخاری اور مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے، ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی بات پر کسی سے انتقام نہیں لیا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی جان دار کو اپنے ہاتھ سے مارا۔'' [4]

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیّبہ تشریف لائے تو ابوطلحہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بارگاہِ نبوّت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! انس سمجھدار بچّہ ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ میں نے حضور

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۷۴

[2] صحیح مُسلم

[3] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۷۴

[4] صحیح بخاری، صحیح مُسلم

ﷺ کی سفر و حضر میں خدمت کی سعادت حاصل کی۔ بخدا آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے متعلق جو میں نے کر دیا کبھی یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اُس سے متعلق کبھی یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ [1] حضرت انس بن مالک مزید کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی لعن طعن اور سب و شتم نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی فحش کلام آپ ﷺ کی زبانِ اطہر پر آیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے محبوبِ خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ (ﷺ) پر اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آیا ہے کہ جس میں آپ کو تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمھاری قوم قریش سے ایسے کئی دن دیکھے ہیں اور اُن میں سب سے سخت اور مشکل ترین عقبہ کا دن تھا جب میں طائف میں عبد یالیل بن کلال کے پاس گیا اور اُس کو اسلام کی دعوت دی مگر اُس نے میری دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ اوباش اور آوارہ لوگوں کو مجھے ایذا پہنچانے پر مامور کیا جنہوں نے مجھے پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ تب جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کا جواب اور ردِ عمل سُنا اور دیکھا ہے اور آپ (ﷺ) کی طرف پہاڑوں پر مامور فرشتے کو بھیجا ہے۔ پھر پہاڑوں پر مامور فرشتے نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کا جواب سُنا ہے اور مجھے آپ (ﷺ) کی طرف بھیجا ہے تا کہ آپ (ﷺ) جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں۔ میں ملک الجبال ہوں، اگر آپ (ﷺ) حکم دیں تو میں دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور اہلِ طائف کو اُن کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔ میں نے کہا کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی پشتوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے (لہٰذا میں تجھے یہ حکم نہیں دیتا)۔ [2]

---

[1] بخاری، مسلم، ترمذی

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوت ، ج ۲ ص ۴۷ بحوالہ بخاری، مسلم

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نجرانی چادر جس کا کنارہ موٹا اور سخت تھا اوڑھے ہوئے چلے جارہے تھے کہ پیچھے سے ایک اعرابی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی۔ چادر کے سخت کنارے سے گردن مبارک پر خراش آ گئی۔ پھر اُس نے کہا اللہ تعالیٰ کا جو مال آپ کے پاس ودیعت ہے اُس میں سے میرے لیے (ادائیگی کا) حکم دیں۔ رحیم و کریم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کی اس نازیبا اور تکلیف دِہ حرکت کے باوجود تبسم فرمایا اور اُس کے لیے مال عطا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بچّوں پر شفقت

بچّے معاشرے کا ایک کمزور اور معصوم طبقہ ہونے کے ساتھ ساتھ مستقبل کا قیمتی اثاثہ بھی ہوتے ہیں، ان کے ساتھ حُسن سلوک اور ان کی بہترین تعلیم و تربیت ان کے روشن و تابناک مستقبل کی ضامن ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچّوں کے ساتھ نہایت محبت اور نرمی سے پیش آیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس معصوم اور کمزور طبقے پر رحم و کرم کے کئی نمونے پیش کیے اور ساتھ ساتھ اُمت کو بھی تلقین فرمائی کہ ان کا لحاظ کرو اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے اجتناب کرو۔

سلام کرنے سے دوسروں کی عزت افزائی ہوتی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب بھی بچّوں کے پاس سے گزرتے تو اُن کو سلام سے مشرف فرماتے۔[۲]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے، ''جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔[۳]

---

[۱] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۴۷۴

[۲] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۴۶۸

[۳] سنن ابی داؤد، باب فی الرحمۃ، حدیث ۴۹۴۳

منقول ہے کہ ایک شخص نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام کو چوم رہے ہیں تو کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے دس بچے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص رحم نہیں کرتا اُس پر (اللہ کی طرف سے) رحم نہیں کیا جاتا۔''[1]

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام کو چوم رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے اس پر حیرت کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ اگر اللہ نے تیرے دِل سے رحمت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔[2]

مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا، تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں گلے سے لگایا، بوسہ دیا اور فرمایا، ''اے اللہ! میں حسن (علیہ السلام) سے محبت رکھتا ہوں تو بھی حسن (علیہ السلام) سے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھ۔[3]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین علیہم السلام کو اپنے شانوں پر سوار کر کے گھر سے باہر تشریف لے جایا کرتے۔ یہ شہزادے نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدوں کو اتنا طویل فرما دیتے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہو جاتے۔ پھر نماز کے بعد شہزادوں کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر بوسے دیتے اور مسرت و شادمانی کا اظہار فرماتے۔

اپنے بچّوں کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں کے بچّوں پر بھی بہت مہربان تھے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ اگر کسی کے گھر میں ولادت ہوتی تو نومولود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لاتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچّے کو گود میں لیتے، اُسے چومتے اور اُس کے لیے برکت کی دُعا فرماتے۔

---

[1] بخاری، باب رحمۃ الولد و تقبیلہ، حدیث ۵۹۹۷

[2] بخاری، باب رحمۃ الولد و تقبیلہ، حدیث ۵۹۹۸

[3] بخاری، باب مناقب الحسن، حدیث ۳۷۴۹

روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں کوئی مشروب لایا گیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں طرف ایک بچّہ بیٹھا ہُوا تھا اور بائیں جانب کچھ صحابہ کرامؓ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچّے کو دیکھا تو اُس سے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ مشروب ان بڑے حضرات کو دے دوں؟ بچّے نے کہا، ہرگز نہیں، بخدا میں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرک میں) اپنے حق پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشروب کا پیالہ اُس بچّے کو تھما دیا۔[1]

منقول ہے کہ ایک یہودی لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کے لیے اُس کے گھر تشریف لے گئے، اُس کے پاس بیٹھے، مزاج پرسی کی اور فرمایا اسلام قبول کرلو۔ بچّے نے سوالیہ نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اُس کے والد نے اُسے کہا کہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ لہٰذا وہ بچّہ مسلمان ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکلے، ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْقَذَہٗ مِنَ النَّار“ (تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچا لیا۔)[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلم بچّوں پر بھی شفقت و مہربانی فرمایا کرتے تھے، اُن کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور اُن کے لیے متفکر رہتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کو عرب اپنے لیے عار سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ کیا، اُن کے احترام کی تعلیم دی، اُن کی بہترین تربیت کرنے اور اُن پر خرچ کرنے کی تلقین کی، چنانچہ فرمایا، ”جس نے دو لڑکیوں کی بالغ ہونے تک پرورش کی، قیامت کے دن میں اور وہ ایک ساتھ ہوں گے۔“[3]

---

[1] بخاری، باب من رأی أن صاحب الحوض، حدیث ۲۳۶۶

[2] بخاری، باب إذا أسلم الصبی فمات، حدیث ۱۳۵۶

[3] مسلم، باب فضل الاحسان إلی البنات، حدیث ۲۶۳۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات واطوار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ بلند مرتبہ، جلیل القدر، متقی، پرہیزگار، بہادر، عادل اور مہربان انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی نامحرم عورت کو نہیں چھوا۔ جو سواری دستیاب ہوتی اُسی پر سواری فرماتے چاہے گھوڑا ہوتا، خچر یا گدھا۔ گدھے پر بغیر زین کے سوار ہوتے۔ پیادہ بھی چلتے۔ جنازوں کی مُشایعت کرتے۔ مریضوں کی عیادت فرماتے۔ رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کرتے۔ فقرا کی صحبت میں بیٹھتے۔ اہلِ علم وفضل کی تکریم کرتے، اہلِ شرف سے نیکی کر کے تالیف قلوب فرماتے۔ کسی پر ظلم نہ کرتے۔ معذرت خواہوں کا عذر قبول فرماتے۔ دائیں ہاتھ کی چھوٹی اُنگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کا دُودھ خود نکالتے، اُونٹ کو باندھتے اور کام کاج میں اہل خانہ اور خدام کی مدد فرماتے۔ غلاموں اور کنیزوں کے لباس اور طعام میں فراخی فرماتے اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی حاجت لے کر آتے تو بغیر درشتی اور بدخوئی کے اُن کی حاجت روی فرماتے۔ جب کوئی حاجت بیان کرتا تو سنتے رہتے اور جب تک وہ خود نہ ہٹتا اُس کی طرف سے مُنہ نہ پھیرتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ درگزر اور بخشش فرماتے۔ دعوت قبول فرماتے اور ہدیہ لینے سے انکار نہ فرماتے چاہے ایک پیالہ دُودھ ہی ہوتا لیکن صدقہ نہ لیتے۔ کسی کے چہرے کو گھورتے نہیں تھے اور نہ ہی کسی پر غضبناک ہوتے یا لعن طعن کرتے۔ ملنے پر سلام میں پہل کرتے اور مصافحہ کرتے۔ اُٹھتے بیٹھتے ذِکرِ خدا کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی بیٹھا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس وقت نماز پڑھنا ہوتی تو نماز میں تخفیف فرماتے اور پھر اُس کی طرف متوجہ ہو کر اُس کی حاجت معلوم کرتے۔ ہمیشہ قبلہ رُو ہو کر بیٹھتے اور جب تک لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے رہتے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کی تکریم کرتے اور اُن کے لیے اپنا کپڑا بچھا دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ حق بات کہتے۔[1]

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پانچ خاص عادات

بحذفِ اسناد، امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین (علیہم السلام) کی سند سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، پانچ عادات واطوار کو میں مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا۔

۱۔ زمین پر بیٹھ کر غلاموں کے ساتھ کھانا کھانا۔

۲۔ خالی پشت گدھے پر سوار ہونا۔

۳۔ اپنے ہاتھ سے بکری کا دُودھ نکالنا۔

۴۔ اُون کا لباس پہننا۔

۵۔ بچّوں پر سلام میں پہل کرنا تاکہ میرے بعد سنت ہو۔ [۱]

بلاشبہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ بالا پانچوں عادات انکسار اور تواضع کا عالیشان نمونہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے والد محترم بابُ العلم جناب علی علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی کیسی ہوتی تھی؟ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت چار چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا، حلم، ہوشیاری، اندازہ گیری اور فکر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ تسویۂ نظر (برابری) اور استماع بین الناس (لوگوں کے درمیان غور سے سننا) سے متعلق اندازہ فرماتے تھے۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والی اور فنا ہو جانے والی چیزوں سے متعلق سوچا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلم وصبر یکجا کر دیے گئے تھے چنانچہ کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غضبناک نہیں کر سکتی تھی

---

[۱] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۱۷۵

اورنہ ہی کوئی چیز آپ ﷺ کو متنفر کر سکتی تھی (سوائے خلافِ شرع چیزوں کے۔مؤلف) اور آپ ﷺ کی ہوشیاری (یعنی دانائی اور دُوراندیشی) چار بنیادوں پر مشتمل ہوتی تھی:

۱۔ اچھی چیز کو اپنانا تا کہ آپ ﷺ کی اقتدا ہو سکے۔

۲۔ قبیح کو ترک کرنا (یعنی اُس سے اجتناب کرنا) تا کہ لوگ اُس سے باز رہیں۔

۳۔ اُمت کی اصلاح وفلاح کے لیئے مقدور بھر کوشش کرنا۔

۴۔ اور اُمت کے لیئے دُنیا و آخرت کی بھلائی جمع کرنا۔[۱]

رسول اللہ ﷺ کا تبسم

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اکثر خاموشی اختیار کیے رکھتے، آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ ہنستے مگر آپ ﷺ صرف تبسم پر اکتفا فرماتے۔ حضرت جابر بن سمرہ سے دوسری روایت ہے کہ آپ ﷺ ہنستے نہیں تھے بلکہ مسکراتے تھے۔[۲] بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے بلکہ تبسم فرمایا کرتے تھے۔[۳]

حضرت عبداللہ بن حارث سے منقول ہے کہ میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔[۴] اس روایت سے حضرت عبداللہ کی مراد یہ ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ دل کش اور دل نشیں مسکراہٹ کسی اور کی نہیں تھی یا پھر شاید یہ کہنا چاہتے ہوں کہ آپ ﷺ تالیفِ قلوبِ اُمت کے لیے دوسروں سے زیادہ تبسم فرماتے تھے۔

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسکراتے تو آپ ﷺ کی

---

[۱] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۷

[۲] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۲۰

[۳] بخاری، در مشکوٰۃ

[۴] جامع ترمذی ج ۲، حدیث نمبر ۳۴۱۷

مسکراہٹ خفیف ہوتی اور تبسم سے آگے تجاوز نہ کرتی تھی۔ [1] بقولے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے تو آنکھیں جھکا لیتے اور خوشی کا اظہار بہت زیادہ نہ فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا محض تبسم تھا اور ہنسنے کی آواز مشکل سے ظاہر ہوتی۔ مسکراتے وقت دندانہائے نورانی شبنم کے قطروں کی مانند چمکنے لگتے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح

منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے مگر نہایت مہذب اور شائستہ انداز میں اور مزاح میں بھی ہمیشہ حق بات ہی کہتے، مثلاً:

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں ایک حبشی غلام بھی تھا۔ سفر میں جو شخص تھک جاتا اپنا کچھ بار اُس پر لاد دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ تُو تو سفینہ ہے اور اُسے آزاد کر دیا۔ [3]

○ ایک شخص سے فرمایا، ''بھولنا مت، اے دو (۲) کانوں والے! [4]

○ گیہوں لدے ایک اُونٹ کو دیکھ کر فرمایا کہ ''ہریسہ'' جا رہا ہے۔ واضح ہو کہ ''ہریسہ'' ایک کھانا ہے جو گیہوں سے تیار ہوتا ہے۔ [5]

○ انصار کی ایک بوڑھی عورت نے کہا کہ میرے لیے جنّت کی دُعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنّت میں نہیں جائے گی۔ یہ سُن کر وہ رونے لگی۔ فرمایا کیا تُو نے نہیں سُنا، ''اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾'' [6] (بے شک ہم نے اُن کو خاص نئے

---

[1] شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱ ص ۵۵۳

[2] علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب ج ۲ ص ۲۰۶

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۵

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۵

[5] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۵

[6] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۵

سرے سے پیدا کیا پھر اُنھیں کنواریاں بنایا)، یعنی تُو وہاں نوعمر ہو کر جائے گی۔ [1]

○ بروایتے، ایک اشجیعہ عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت جنّت میں نہیں جائے گی۔ وہ جا کر رونے بیٹھ گئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس کا حال بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کالا آدمی بھی جنّت میں نہیں جائے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا تھا پس وہ بھی جا کر رونے لگ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کا حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گذار کیا تو فرمایا کہ بوڑھا آدمی بھی جنّت میں نہیں جائے گا۔ پھر فرمایا کہ بوڑھے جوان ہو کر اور کالے گورے ہو کر جائیں گے اور عورتیں دوشیزائیں بن کر جنت میں جائیں گی۔ [2]

○ سفر میں ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے سواری دیجیے۔ فرمایا کہ ہم تمھیں اُونٹنی کا ایک بچّہ سواری کے لیے دیں گے۔ اُس نے کہا کہ میں بچّے کا کیا کروں گا؟ فرمایا کہ اُونٹ بھی تو اُونٹنی کا بچّہ ہی ہوتا ہے۔ [3]

○ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کے قریب جب سب لوگ بھوک سے بدحال ہوں گے اور ایسے میں دجال لوگوں کے پاس ثرید لائے گا تو کیا از روئے زُہد اُس وقت بھی اجتناب کرنا پڑے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سُن کر مسکرائے اور فرمایا گھبراؤ نہیں! جس چیز سے اللہ مومنین کو بے پرواہ بنائے گا تجھے بھی (اُس چیز سے بے پرواہ) بنا دے گا۔ [4]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج۱ ص ۶۵

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج۱ ص ۶۵

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج۱ ص ۶۵

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج۱ ص ۶۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طعام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت سادہ غذا تناول فرماتے جو کہ عموماً جَو اور خرمے پر مشتمل ہوتی تھی۔ اگر کبھی کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو بھوکے رہتے اور فاقہ کشی سے نہ اُکتاتے۔ کبھی بھوک کے عالم میں اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے۔ زمین پر تشریف فرما ہوتے، اُسی پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور اُسی پر ہی سوتے۔ تکیہ لگا کر نہ بیٹھتے۔ کھانے پر بیٹھتے تو جو حاضر ہوتا قبول فرماتے اُسے رَد نہ کرتے، کھانے کے بعد غرور اور تکبر کے بغیر اپنی اُنگلیاں چاٹ لیا کرتے۔ پھلوں میں خربوزہ، انگور، رُطب (تازہ اور تر کھجور) اور چھوارا (خشک کھجور) پسند فرماتے۔ چھوارا دُودھ کے ساتھ کھاتے۔ ککڑی کو کھجور یا نمک سے کھاتے۔ روٹی اور روغن بھی لیتے، طعام لحم (گوشت کا سالن) میں ثرید (شوربہ) اور گوشت تناول فرماتے۔ گوشت میں بکری کا شانہ اور دستی زیادہ پسند فرماتے۔ شکار کا گوشت کھا لیتے تھے مگر خود شکار نہیں کرتے تھے۔ سرکہ مرغوب تھا۔ ترکاری میں ساگ اور بینگن پسند فرماتے۔[۱]

مروی ہے کہ حضرت اُمّ سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہُوا بازو (بکری کا بازو، دستی) پیش کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے کھانے کے بعد نماز کے لیے تشریف لے گئے۔[۲] روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دستی کا گوشت پیش کیا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند تھا۔[۳] حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔[۴] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد اور میٹھی چیز

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۶۴

[۲] جامع ترمذی، ج ا، حدیث ۱۶۶۶، ص ۶۸۴

[۳] جامع ترمذی، ج ا، حدیث ۱۶۷۴، ص ۶۸۶

[۴] جامع ترمذی، ج ا، حدیث ۱۶۶۷، ص ۶۸۴

پسند فرمایا کرتے تھے۔[1] حضرت اُمّ ہانی بنتِ حضرت ابی طالبؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا (کھانے کو) کچھ ہے؟ عرض کیا کہ نہیں البتہ سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے اور سرکہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لے آؤ، وہ گھر جس میں سرکہ ہو سالن کا محتاج نہیں۔[2] حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ کتنا بہترین سالن ہے۔[3] حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، ''اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ایک دن میں روٹی اور گوشت سے دو مرتبہ سیر نہ ہوئے۔''[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ مشروب

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میٹھی اور ٹھنڈی چیز مشروبات میں سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے۔[5] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زہری نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا مشروب سب سے عمدہ ہے؟ فرمایا ٹھنڈا اور میٹھا۔[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُون کا یا روئی سے بنا ہُوا موٹا کپڑا پہنتے، لباس کا رنگ عموماً سفید ہوتا، عمامے پر عمامہ باندھتے، قمیض پہنتے، بروزِ جمعہ کا لباس مخصوص ہوتا تھا۔ کہیں تشریف لے جاتے تو عبا کو تہہ کر کے بطور فرش بچھا لیتے۔ جب نیا لباس پہنتے تو پُرانا کسی مسکین کو دے

---

[1] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۶۸، ص ۶۸۵

[2] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۷۷، ص ۶۸۷

[3] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۷۶، ص ۶۸۷

[4] جامع ترمذی، ج ۲، حدیث ۲۱۷۳، ص ۳۰

[5] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۷۲۷، ص ۷۰۲

[6] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۷۲۸، ص ۷۰۲

دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جوتے اور لباس خود مرمت کرلیا کرتے۔ [1]

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لباس میں قمیض سب سے زیادہ پسند تھی۔ [2] حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قمیض کے بازو کلائیوں تک تھے۔ [3] حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ترین لباس دھاری دار چادر تھی۔ [4] حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاپوش مبارک (جوتے) تسمے والے تھے۔ [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسلحہ وغیرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کل نو (۹) تلواریں تھیں جن میں سے دو (۲) بقولے وراثت میں اور تین (۳) مالِ غنیمت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ملی تھیں۔ اِس وقت اُن نو (۹) تلواروں میں سے آٹھ (۸) ترکی کے دارالحکومت استنبول کے عجائب گھر ''توپ کاپی'' میں اور ''العضب'' نامی ایک تلوار مصر میں محفوظ ہے۔ ان تلواروں کی تفصیل درج ذیل ہے: [6]

العضب: یہ تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ نے ہدیہ کی تھی۔ یہی وہ تلوار ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ اُحد میں حضرت ابودجانہ انصاریؓ کو عطا کی تھی۔ یہ آج کل مصر کے دارالحکومت قاہرہ کی ایک مسجد حسین بن علی (علیہ السلام) میں رکھی گئی ہے۔

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۴

[2] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۰۹، ص ۶۶۷

[3] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۱۰، ص ۶۶۸

[4] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۲۹، ص ۶۷۳

[5] جامع ترمذی، ج ۱، حدیث ۱۶۱۶، ص ۶۶۹

[6] آزاد دائرۃ المعارف، ویکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا

الرسوب: یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وراثت میں ملی تھی، اس کی لمبائی ۱۴۰ سینٹی میٹر ہے۔

المحزم: یہ تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمائی جو بعد میں اولادِ علی علیہ السلام میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ تلوار امیر المومنین علی علیہ السلام کو شام میں ایک جنگ کے دوران مالِ غنیمت میں ملی تھی۔ اس کی لمبائی ۹۷ سینٹی میٹر ہے۔

القلعی: اس تلوار کی لمبائی ۱۰۰ سینٹی میٹر ہے۔ بروایتے یہ تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودی قبیلے بنو قینقاع سے جنگ میں مالِ غنیمت میں ملی تھی۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اس تلوار کو سونے کے دو ہرنوں سمیت زم زم کے کنویں سے نکلوایا تھا جو قبیلہ جرہم نے زمانۂ قدیم میں وہاں دفن کئے تھے۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے یہ چیزیں دیگر قیمتی سامان کے ساتھ بیت اللہ میں بحفاظت رکھوا دیں۔ اس تلوار کے اُوپر لکھا تھا، ''یہ تلوار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی عزت کی علامت ہے۔''

الماثور: **الماثور یا الماثور الفجر** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والد محترم سے وراثت میں ملی تھی۔ ہجرتِ نبوی کے دوران میں یہ تلوار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی۔ اس کی لمبائی ۹۹ سینٹی میٹر ہے۔ اس کا دستہ سونے کا اور دونوں طرف سے مڑا ہُوا ہے اور اس پر خوبصورتی کے لیے زمرد اور فیروزے جڑے ہوئے ہیں۔ (میرا خیال ہے کہ سونے اور موتیوں کا یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا گیا ہوگا۔ مؤلف)

الحتف: یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب کے یہودی قبیلے قینقاع سے بطور مالِ غنیمت ملی تھی۔ بقولے یہ تلوار حضرت داؤد علیہ السلام کے دستِ مبارک سے بنی ہوئی ہے جو یہودیوں کے قبیلے لاوی میں اپنے باپ داداؤں (بنو اسرائیل) کی نشانیوں کے طور پر نسل در نسل چلی آ رہی تھی حتیٰ کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ اس تلوار کی لمبائی ۱۱۲ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۸ سینٹی میٹر ہے۔

البتار: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت مشہور تلوار تھی۔ اسے سیفُ الانبیا بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت

زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کندہ ہیں۔ بقولے، یہ تلوار حضرت داؤد علیہ السلام کو اُس وقت مالِ غنیمت کے طور پر ملی تھی جب اُن کی عمر بیس سال تھی۔ اس تلوار پر ایک تصویر بھی بنی ہوئی ہے جس میں حضرت داؤود علیہ السلام کو جالوت کا سر قلم کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جو اس کا اصل مالک تھا۔ اس کے علاوہ تلوار پر ایک نشان بھی بنا ہوا ہے جو "بترا" شہر کے قدیمی باشندے "البادیون" اپنی ملکیتی اشیا پر بنایا کرتے تھے۔

الذوالفقار: اس شہرہ آفاق تلوار سے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوۂ بدر میں ملی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمائی اور شیرِ خدا حضرت علی علیہ السلام نے اسی تلوار سے کئی مشرکین کو شکست دی۔

القضیب: یہ تلوار کم چوڑائی والی ہے، اس پر کلمہ طیّبہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی لکھا ہُوا ہے۔ روایت ہے کہ یہ تلوار دفاع کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتی تھی۔

کتاب مستطاب مجمع الفضائل میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک نیزہ بھی تھا جسے "مستونی" کہتے تھے۔ چار زِرّہیں تھیں، جن میں ایک "ذات الفصول" تھی جسے حضرت سعد بن عبادہؓ نے ہدیہ کیا تھا، دوسری زِرّہ کا نام "فضة" تھا، ان کے علاوہ دو زِرّہیں "سعدیة" اور "ذات الوشاخ" بنی قینقاع نے پیش کیں۔ دو ڈھالیں تھیں جن میں سے ایک کا نام "ولوق" تھا۔ ایک ترکش "کافورہ" نامی اور ایک خود تھا۔ ایک سفید رنگ کا علم اور ایک تازیانہ تھا جس کا نام "ممشوق" تھا۔[۱]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ۝

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۷۹، ۸۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر اشیائے مصرف

نجاشی نے ایک بڑی چھتری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجی تھی جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اُٹھائے رہتے تھے اور سفر میں اور عید کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لگاتے تھے۔ ایک چمڑے کا پٹکا جس پر چاندی کے تین حلقے تھے، ایک پیالہ شیشے کا اور ایک پتھر کا۔ نہانے کا ایک برتن، ایک چادر، ایک کانسہ (کاسہ، بڑا پیالہ)، ایک چاندی کی انگوٹھی جس پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔ دو کالے موزے جو نجاشی نے تحفے میں بھیجے تھے۔ چمڑے کا ایک فرش جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک صنعتی لحاف، سحاب نامی عمامہ جو بروزِ جمعہ باندھتے تھے۔ ایک سیاہ عمامہ (فتح مکّہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا جو شاید یہی تھا)۔ ایک ہاتھی دانت کی کنگھی، ایک سُرمہ دانی، ایک قینچی اور ایک مسواک۔ جس روز انتقال فرمایا دس کپڑے چھوڑے جن میں ایک اِزار (پاجامہ، شلوار) عمانی تھی، دو ثوب (پوشاک) صحاوی، ایک قمیض صحاوی اور ایک سحولی (سحول، یمن کا ایک شہر تھا جو کپڑے کے کاروبار میں بہت مشہور تھا، قمیض یا اُس کا کپڑا شاید وہیں کا بنا ہوا تھا)، ایک یمنی جُبّہ (چوغہ، اوورکوٹ)، ایک سفید چادر اور چند ٹوپیاں تھیں۔ یمنی اِزار اور چادر میں رِحلت فرمائی۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بستر پر سویا کرتے تھے وہ چمڑے کا تھا اور اُس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔[۲]

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۸۰

[۲] جامع ترمذی، حدیث نمبر ۱۶۰۷ ج ا ص ۶۶۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمایہ

مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کل کے لیے کبھی کوئی چیز جمع نہ کرتے۔[1] مختلف روایات کے مطابق وقتِ وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرمایہ کچھ گھوڑے، خچر، اُونٹ اور چند جاگیریں تھیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔[2]

گھوڑے:

الوروجس: یہ ایک خوبصورت گھوڑا تھا جسے تمیم نے ہدیہ کیا تھا۔

الظرب بسوقہ: اسے مقوقش نے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

لحیف: اسے ربیعہ بن براء نے ہدیہ کیا تھا۔

المرتجز: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گھوڑا ایک اعرابی سے خریدا تھا۔

السکب: یہ سب سے پہلا گھوڑا تھا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواری فرمائی اور غزوۂ اُحد میں کفّار سے جنگ کی۔

ان کے علاوہ لعیوب، السیحہ، ذوالعقاب اور ملاوح تھے۔

خچر:

خچروں میں ایک خچر ''دُل دُل'' نامی تھا جسے مقوقش نے بطور ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، اُس کا رنگ سفید تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خچر حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا، اُن کے بعد امام حسن علیہ السلام اور پھر امام حسین علیہ السلام کے پاس رہا۔ یہ پہلا خچر تھا جس پر اسلام میں سواری ہوئی۔ ایک خچر جس کا نام ''فضہ'' تھا وہ بھی مقوقش نے ہدیہ کیا۔

---

[1] جامع ترمذی

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۷۹

اُونٹ:

اُونٹوں میں ایک ''غضبا'' نامی ناقہ تھا۔ دوسرے ناقے کا نام ''قصویٰ'' تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے چارسو درہم میں خریدا تھا۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسی پر مکّہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔ ایک کا نام ''صہبا'' تھا۔ اِن کے علاوہ بغوم، نوق، مروہ اور دُودھ دینے والی دس اُونٹنیاں بھی تھیں۔

بکریاں:

سات بکریاں تھیں جنھیں حضرت اُمّ ایمنؓ چراتی تھیں اور سو بھیڑیں تھیں۔ بروایتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے والدِ گرامی کی طرف سے وراثت میں بکریوں کا ایک گلہ، پانچ اُونٹ اور ایک تلوار اور بقولے تین تلواریں بھی ملیں۔[2]

جاگیریں:

جاگیروں میں مہرہ سمرہ، عریس سعدیہ بغوم، میسرہ اور بردہ وغیرہ تھیں جن کی آمدنی ازواج رضی اللہ عنہا پر خرچ کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ فدک کی جاگیر تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتونِ جنّت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو دے دی تھی۔ روایت ہے کہ بنی نظیر کا ایک بہت بڑا عالم جس کا نام مخریق تھا مسلمان ہو گیا اور مرتے وقت اپنی املاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کر گیا، اُس کی املاک میں سات باغ تھے جن میں سے ایک کا نام مشربہ اُمّ ابراہیم تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۶

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۷۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور روزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ شب میں اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ بروایتے قدموں یا پنڈلیوں پر ورم آ جاتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں کچھ عرض کیا جاتا تو فرماتے، "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں"؟[1]

عبدالعزیز بن عبداللہ سے روایت ہے کہ مجھ سے محمد بن جعفر نے بیان کیا، اُن سے حمید طویل نے اور اُن سے انس رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی مہینے میں (نفلی) روزہ نہ رکھتے تو یوں لگتا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماہ روزے نہیں رکھیں گے اور اگر کسی مہینے میں روزہ رکھنا شروع کرتے تو خیال ہوتا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس مہینے کا ایک دن بھی بغیر روزے کے نہیں ہوگا اور رات کو نماز اس طرح پڑھتے کہ جب چاہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ لو اور جب چاہو سوتا دیکھ لو۔ محمد بن جعفر کے ساتھ اس حدیث کو سلیمان اور ابو خالد نے بھی حمید سے روایت کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری رات سوتے بھی نہیں تھے اور شب بھر جاگ کر مصروفِ عبادت بھی نہیں رہتے تھے بلکہ آرام بھی فرماتے تھے اور عبادت بھی کرتے تھے، پس جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس حال میں دیکھنا چاہتا دیکھ لیتا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج اور عمرے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین حج کیے۔ دو مرتبہ ہجرت سے پہلے اور ایک مرتبہ ہجرت کے بعد جس کے ساتھ عمرہ بھی کیا۔ اُس حج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے لیے اپنے ساتھ تریسٹھ (۶۳) اُونٹ لائے تھے جب کہ باقی حضرت علی علیہ السلام یمن سے ساتھ لے کر آئے تھے۔[3]

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب تہجد کا بیان حدیث ۱۱۳۰

[2] محمد بن اسماعیل بخاری، بخاری، حدیث نمبر ۱۱۴۱

[3] جامع ترمذی باب نمبر ۵۵۱ حدیث نمبر ۸۱۳ صفحہ ۳۴۷

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے حج کیے؟ کہا کہ ایک حج اور چار عمرے، ایک عمرہ جعرانہ کیا جب غزوۂ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کی۔ [1] حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کیے، ایک حدیبیہ کے موقع پر دوسرا آئندہ سال ذیقعدہ میں حدیبیہ والے عمرے کی قضا کے طور پر، تیسرا عمرہ جعرانہ اور چوتھا حج کے ساتھ۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبولیت دُعا

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اطہر سے جب بھی، جو بھی نکلا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہُوا۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند ایک روایات [3] پر اکتفا کیا جا رہا ہے کیونکہ تمام تر کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ کرنا تو ممکن ہی نہیں۔

○ جنگِ احزاب میں کفّار کی تعداد دس ہزار تھی اور بنی قریظہ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستِ مبارک اُٹھا کر دُعا فرمائی کہ نازل کر سریع الحساب کتاب اور شکست دے ان گروہوں کو، پس تند و تیز ہوا چلی جس سے اُن کے خیمے اُکھڑ گئے اور بحکمِ خدا اُنھیں شکست ہوئی۔

○ یومِ بدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''**شاھت الوجوہ**'' (اِن کے چہرے مسخ ہوں) کہہ کر کفّار کی طرف مشتِ خاک پھینکی، وہ مٹی جس جس پر پڑی وہ قتل ہُوا یا قید۔

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی حارثہ کو ایک خط لکھا اور دعوتِ اسلام دی۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریر کی قدر نہ کی اور اُسے ضائع کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، ''اُنھیں کیا ہو گیا؟ کیا اُن کی عقلیں ماری گئیں؟'' پس اُن کی عقلیں زائل ہو گئیں اور اُن پر حماقت طاری ہو گئی۔

---

[1] جامع ترمذی، باب نمبر ۵۵۱ حدیث نمبر ۷۱۴

[2] جامع ترمذی، باب ۵۵۲ حدیث نمبر ۷۱۵

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۳۴ تا ۳۶

○ جعفر بن تسطور سے مروی ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔ میں اپنے گھوڑے سے اُترا اور اُس کو اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے درازی عمر کی دُعا دی۔ روایت ہے کہ جعفر کی عمر دراز ہوئی اور وہ چار سو بیس (۴۲۰) سال زندہ رہے۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح میں نابغہ نے ایک قصیدہ لکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں دُعا دی کہ اللہ تیرے دانت سلامت رکھے۔ نابغہ ایک سو تیس (۱۳۰) سال زندہ رہے۔ جب بھی اُن کا کوئی دانت گرتا تو اُس کی جگہ اُس سے کہیں بہتر دوسرا دانت نکل آتا۔

○ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عمرو بن الحمق نے دُودھ کا پیالہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یا اللہ اسے شباب کا فائدہ پہنچا۔'' پس وہ اسی (۸۰) سال تک زندہ رہے اور اُن کا ایک بال بھی سفید نہ ہُوا (یعنی وہ جوان نظر آتے تھے)۔

○ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیر کر درازی عمر کی دُعا دی۔ بقولے، اُس نے سو (۱۰۰) سال تک زندگی پائی۔

○ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو مٹی کا کوئی کھلونا بناتے دیکھا تو پوچھا کہ اس کا کیا کرو گے؟ اُنھوں نے کہا کہ اسے فروخت کروں گا۔ دریافت فرمایا کہ اس کی قیمت وصول کر کے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ خرمے خرید کر کھاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا فرمائی، ''الٰہی! اس کے ہاتھ کی صنعت میں برکت دے۔'' پس اُنھوں نے جب بھی کوئی معاملہ کیا اللہ نے اُس میں برکت دی اور اُن کی مثال مشہور ہوگئی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

مختصات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ تمام اوصاف وخصائل موجود تھے جو دیگر انبیائے کرام میں پائے جاتے تھے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی بے شمار خصوصیات سے بھی نوازا جو باقی انبیا علیہم السلام کے لیے نہیں تھیں صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ تھیں اور کسی اور انسان میں اُن کا پایا جانا ممکن نہیں۔ اُن میں سے چندایک درج ذیل ہیں:[۱]

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوّت تمام ہوئی۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔

○ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم (سب سے زیادہ فصیح البیان) بنایا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا، چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوتا ہے:[۲]

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳

(وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اُس (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر دین (والے) پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو بُرا لگے۔)

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی کتاب قرآن مجید کی مثل لانے سے لوگ عاجز رہے۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا اور کوئی بھی شخص آج تک اس جیسی کوئی آیت نہ بنا سکا نہ اس میں تحریف کرسکا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو اللہ تعالیٰ نے آسان بنا دیا۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۱ تا ۶۳

[۲] سورۃ التوبہ، آیت ۳۳

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ [1]

(اُس نے تمھیں منتخب فرمالیا ہے اور اُس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔)

○ اللہ نے آپ ﷺ کی قوم کے لیے ہر عمل کا ثواب دس گنا مقرر فرمایا پس سورۃ الانعام میں فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ [2]

(جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اُس کے لیے (بطورِ اجر) اُس جیسی دس نیکیاں ہیں۔)

○ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فرمانبرداری کو واجب قرار دیا پس فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ [3]

(اے ایمان والو اللہ اور رسول (ﷺ) کی آواز پر لبیک کہو جب کہ وہ (رسول ﷺ) تمھیں بلائیں اُس چیز کی طرف جو تمھیں (روحانی) زندگی بخشنے والی ہے۔)

○ آپ ﷺ کی وجہ سے رفعِ عذاب ہے چنانچہ اللہ کریم نے فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ [4]

(اور اللہ ایسا نہیں کہ اُن پر عذاب نازل کرے جب کہ (اے حبیب ﷺ) آپ (ﷺ) اُن کے درمیان موجود ہیں۔)

○ اللہ نے آپ ﷺ کے اہلِ بیت (علیہم السلام) کی محبّت فرض کر دی گئی۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہُوا:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ [5]

(اے حبیب ﷺ! فرما دیجیے کہ میں اِس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا

---

[1] سورۃ الحج، آیت ۷۸

[2] سورۃ الانعام، آیت ۱۶۰

[3] سورۃ الانفعال، آیت ۲۴

[4] سورۃ الانفعال، آیت ۳۳

[5] سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۳

سوائے اس کے کہ مودّت رکھو میرے اقربا سے۔)

○اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کو خیر الامت قرار دیا پس فرمایا:

کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [1]

(تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔)

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کا نام مسلمان رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس پر گواہ بنایا اور اسے بنی نوع انسان پر گواہ بنایا چنانچہ ارشادِ پروردگار ہُوا:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ [2]

(اُس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ یہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوع انسان پر گواہ ہو جاؤ)

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کا اجتبا کیا یعنی منتخب فرمایا، پس ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ [3] (اُس نے تمھیں منتخب کیا ہے۔)

○اللہ نے صرف اُن ہی لوگوں کو مومن قرار دیا جو اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت حاصل کرتے ہیں، چنانچہ سورۃ النور میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ [4]

(مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کسی

---

[1] سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۱۰

[2] سورۃ الحج، آیت ۷۸

[3] سورۃ الحج، آیت ۷۸

[4] سورۃ النور، آیت ۶۲

اجتماعی معاملے میں رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت نہیں لیتے کہیں نہیں جاتے، بے شک جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں۔)

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے مومنوں کا ولی اللہ ہے، پس ارشادِ ربّ العزت ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ[1]

(اللہ اُن لوگوں کا سرپرست ہے جو ایمان لائے، وہ اُنھیں (گمراہی کے) اندھیروں سے (ہدایت کی) روشنی کی طرف نکالتا ہے۔)

○ اللہ ربُ العزت اور ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور مومنین کو بھی اس کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:[2]

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾

(بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دُرود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی اُن پر دُرود و سلام بھیجو جس طرح بھیجنے کا حق ہے۔)

○ ملائکہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، پروردگار فرماتا ہے:[3]

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۷﴾

(جو (فرشتے) عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی حمد

---

[1] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵۷

[2] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

[3] سورۃ غافر، آیت ۷

کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تُو اپنی رحمت اور اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس تو اُن لوگوں کو بخش دے جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے راستے کی پیروی کرتے ہیں اور اُنھیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔)

○ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زکوٰۃ اور صدقہ کو حرام قرار دیا۔

○ مالِ غنیمت اور خمس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال کیا۔

○ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونے کے بعد بغیر وضو نماز کی اجازت مرحمت فرمائی۔

○ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسواک کرنا فرض تھا جب کہ اُمت کے لیے سنت قرار پایا۔

○ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذبیحہ (قربانی) واجب تھا اور اُمت کے لیے سنت قرار دیا گیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بغیر احرام مکّہ میں داخلہ جائز قرار دیا گیا جب کہ اُمت کے لیے جائز نہیں۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حالتِ احرام میں عقد کو جائز قرار دیا گیا جب کہ اُمت کے لیے حرام ہے۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ میں دشمن پر ہمیشہ فتح حاصل رہتی۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا کے سب سے بڑے بہادر تھے۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیک وقت نو بیویاں رکھ سکتے تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لونڈیوں اور ذِمی عورتوں (وہ کافر عورتیں جو کسی مسلمان ملک میں رہتی ہیں) سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے دوسروں کا نکاح حرام قرار دیا گیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے لیے نفس کی پیروی کرنے پر اللہ نے دوگنا عذاب مقرر کیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو حائض عورتوں کے ساتھ مجامعت سے منع کیا گیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پر احکام کو آسان بنایا گیا، سوائے قتل کے دیگر اُمور میں توبہ کو آسان کر دیا گیا، قصاص اور دیت کے درمیان اختیار دیا گیا، گناہگار کی معصیت کو چھپایا گیا اور خطا

و نسیان پر درگزر فرمایا گیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اوّل مخلوق ہے جو ہر نبی کے ساتھ رہا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنکھ اور ہاتھ سے اشارہ کرنے کا حکم نہیں تھا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہسن کھانے کا حکم بھی نہیں تھا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتمامِ نعمت ہُوا اور دین کامل ہُوا۔

○ جنت میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داخلہ ہوگا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوضِ کوثر کے مالک ہوں گے۔

○ تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی گواہی دیں گے۔

○ روزِ قیامت تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ بلند ہوگا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیا کو فضیلت دی گئی۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقصدِ تخلیقِ کائنات ہیں۔

○ دُنیا کی ہر شے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع بنایا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقِ شفاعت حاصل ہوگا۔

○ روزِ قیامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اُمتوں کے گواہ ہوں گے۔

○ شبِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس مقام پر گئے جہاں کوئی نبی نہیں گیا۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار ہزار چار سو چالیس (۴۴۴۰) معجزات ملے جو مختلف صورتوں میں قبل ولادت، وقت ولادت، بحالتِ زندگی، وقتِ وصال اور بعد رِحلت ظاہر ہوئے۔

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے معجزے دیے گئے جو اور کسی نبی کو نہیں ملے۔

بخاری اور مشکوٰۃ کی روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:[۱]

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد وموضع الصلاۃ، حدیث:۱۱۶۷۔ مشکوٰۃ

فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ ونُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ○

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوسرے انبیا علیہم السلام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے:

۱) جَوَامِعَ الْكَلِمِ: میری بات مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے اور میں سب سے زیادہ فصیح البیان ہوں۔

۲) نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ: یعنی رُعب سے مجھے فتح عطا کی گئی ہے۔

۳) أُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ: یعنی مالِ غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا ہے۔

۴) جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا: یعنی ساری زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک بنایا گیا۔

۵) وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً: یعنی مجھے ساری مخلوق کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

۶) خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ: یعنی انبیا علیہم السلام کا مجھ پر خاتمہ ہو گیا ہے۔

پس سورۃ الاحزاب میں بھی فرمایا گیا ہے:[۱]

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسولوں اور نبیوں کے خاتم ہیں۔)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ○

---

[۱] سورۃ الاحزاب، آیت ۴۰

معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے فیوض اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو قلم بند کرنا ناممکن ہے کیونکہ کائنات کی تخلیق سے لے کر آج تک اتنے معجزات جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے سبب وجود میں آئے ہیں کہ اُن کا شمار کیا ہی نہیں جاسکتا۔ کائنات کی تخلیق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسلِ پاک سے ائمہ طاہرین علیہم السلام کا سلسلہ جو قیامت تک باقی ہے، قرآن کریم اور حتیٰ کہ دینِ اسلام سبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہی ہیں۔

متعصب لوگوں کی ایک جماعت رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے منسوب معجزات پر یقین نہیں رکھتی۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت اور مقام و مرتبے پر بھی یقین نہیں رکھتے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا ایک عام انسان سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) اور ایک عام انسان کے لیے جو ممکن نہیں ہوتا اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی ناممکن ہی سمجھتے ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب تمام برکات و معجزات کو وہ لوگ ''ضعیف روایات'' اور ''من گھڑت کہانیاں'' قرار دے دیتے ہیں۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں، عام بندوں سے قطعی مختلف اور اعلیٰ اوصاف و کمالات کے حامل۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو وہ کرامات و معجزات عطا کیے ہیں جو عام انسانوں کے لیے ہو ہی نہیں سکتے، مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا گلزار ہونا، یوسف علیہ السلام کے لیے شیر خوار بچّے کا گواہی دینا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ برآمد ہونا، سلیمان علیہ السلام کا حیوانوں سے کلام کرنا اور مخلوق کا اُن کے تابع ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا کوڑھیوں کو شفا دینا اور مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سرورِ انبیا ہیں، جب دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات پر ہمیں یقین ہے تو سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات پر کیوں نہیں؟

دُنیا میں وقت کا سفر کچھ یوں ہے کہ وقت (Time) ایک خطۂ ارض سے سفر شروع کرتا ہے تو اگلے لمحے دوسرے خطۂ ارض میں پہنچ جاتا ہے یعنی سورج کے سفر کے ساتھ ساتھ دُنیا

میں وقت کا سفر ہر پل بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اذان ختم ہوتی ہے تو اگلے پل دوسری جگہ شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح چوبیس گھنٹے دُنیا میں ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کے کلمات گونجتے رہتے ہیں۔ کیا یہ نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ نہیں؟ چنانچہ ارشادِ ربِ کائنات ہوتا ہے، ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾''[۱] (ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر بلند فرمایا۔)

گزشتہ صفحات پر ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار ہزار چار سو چالیس معجزات ملے جو مختلف صورتوں میں مختلف مواقع پر ظاہر ہوئے اور یہ وہ ہوں گے جو روایات میں موجود ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے معجزات مجھے ملے کسی اور نبی کو نہیں ملے۔[۲] چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام معجزات کو صفحۂ قرطاس پر لانا تو ممکن نہیں ہم نے حصولِ برکت اور اکتسابِ خیر کے لیے یہاں پر چند ایک کو قلمبند کیا ہے۔

۱) بعثت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس ایسی صفات سے موصوف تھے جو انبیائے کرام علیہم السلام میں پائی جاتی تھیں یہ صفات ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کسی میں پائے جائے تو وہ اُس کی جلالتِ شان کے لیے کافی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امین (امانت دار)، صادق (سچے)، حاذِق (دانا و تجربہ کار)، اصیل (عالی نسب)، نبیل (صاحب ذکا/ تیز فہم)، فصیح (خوش بیان)، بلیغ (فاضل/ حسب موقع گفتگو کرنے والے)، عاقل (عقلمند)، فاضل (علم و فضل والے)، عابد (عبادت گذار)، زاہد (پرہیزگار/ دُنیا سے رغبت نہ رکھنے والے)، سخی، قانع (جو مل جائے اُس پر راضی رہنے والے/ قناعت پسند)، متواضع (خاطر و مدارت یعنی تواضع کرنے والے)، حلیم (نرم مزاج)، رحیم (رحم کرنے والے)، غیور (غیرت مند)، صبور (صبر کرنے والے/گنہگاروں پر نرمی کرنے والے)، مُوافق (موافقت و برابری اور اتفاق پیدا کرنے والے) اور مُرافق (باہمی میل جول پیدا کرنے والے) تھے۔[۳]

---

[۱] سورۃ الشرح، آیت ۴

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۶۳

[۳] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۵۱

۲) قریش جو کمالات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ میں دیکھتے تھے اُن کی مثال لانے سے قاصر رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشن میں ثابت قدم تھے اور کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب کی باتیں بتا دیا کرتے تھے، جن باتوں کو وہ چھپاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنھیں ظاہر فرما دیتے تھے اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلانا چاہتے تھے اُن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدق خود بخود ظاہر ہو جاتا تھا۔[1]

۳) منافقین جب آپس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بات چیت کرتے تو ایک دوسرے سے کہتے، ''خاموش رہو! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس پتھر کے سوا کوئی اور نہ ہوگا تو وہ پتھر ہی اُنھیں آگاہ کر دے گا۔''[2]

۴) روایت ہے کہ ابوسفیان نے ایک شب اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ خدا نے یتیمِ ابوطالب کو تو رسول بنا دیا لیکن مجھے نہ بنایا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے زیرِ کفالت تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیمِ ابوطالب بھی کہا جاتا تھا)۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے آگاہ کر دیا اور اگلی صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات بیان کر دی۔ ابوسفیان کو علم ہُوا تو وہ سمجھا کہ یہ راز اُس کی بیوی نے ہی افشا کیا ہے چنانچہ اُس نے اُسے سزا دی۔ اُس سزا کا حال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما دیا تو ابوسفیان ششدر رہ گیا۔[3]

۵) مروی ہے کہ صفوان بن اُمیّہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ تُو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سوتے میں قتل کر دے میں اس کے بدلے میں تیرے اور تیرے اہل وعیال کے نان نفقہ کا ضامن ہوں گا جب تک کہ تیری زندگی ہے۔ عمیر نے یہ پیشکش قبول کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ کس ارادے سے آئے ہو؟ کہنے لگا کہ رات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۴

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۴

کے پاس بسر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ تلوار کیوں لائے ہو؟ اُس نے بدزبانی کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے ہر شے سے الگ کرنا چاہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے صفوان بن اُمیہ سے کیا معاملہ طے کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ کوئی معاملہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمھارے درمیان یہ معاملہ نہیں ہُوا کہ اگر تم مجھے قتل کردو تو وہ عمر بھر تیرے اور تیرے اہل وعیال کے نان نفقہ کا ضامن ہوگا؟ عمیر بن وہب یہ سُن کر ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اُسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا یقین ہوگیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔[۱]

۶) بروایتے، ضعفا میں پائی جانے والی چند صفات ایسی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی تھیں مگر وہ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمزوری بن سکیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ومرتبے میں کسی قسم کی کمی کا باعث بن سکیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم، فقیر، غریب اور ضعیف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بکثرت تھے۔[۲] مگر ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور مقام و مرتبے کو بلند فرمایا اور والد کی وفات کے بعد والد کی طرح شفیق چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آغوشِ محبت عطا فرمادی، دوجہانوں کی سرداری عنایت کی اور ضعیفی میں بھی ایسی قوت ودلیری بخشی جو کسی اور کو حاصل نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب ہیبتِ عظیم تھے۔ جولوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے اُن پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت طاری رہتی تھی اور جو دُور ہوتے تھے اُن پر بھی۔ ایک دفعہ کسریٰ کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کانپ گیا حال آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے متواضع اور محبوبُ القلوب تھے۔[۳]

۷) جمیل بن معمر فہری کہا کرتا تھا کہ میرے سینے میں دو دِل ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ میں عقل مند ہوں۔ قریش اس کو ذوقلبین کہا کرتے تھے۔ بدر کے دن ابوسفیان نے اُسے دیکھا

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۴

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

[۳] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲

کہ اُس کی حالت بُری ہے ،ایک جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں ہے۔ پوچھا کہ تمھاری یہ حالت کیوں کر ہوگئی؟ کہنے لگا کہ شکست ہوگئی ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں کیوں ہے؟ کہا کہ یہ سب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ہیبت کا اثر ہے۔[1]

۸) ایک شخص کا کچھ مال ابوجہل کے ذمے تھا جو وہ دبائے بیٹھا تھا۔ وہ شخص ابوجہل کی ہٹ دھرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسے لے کر ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے ابوجہل! اس کا حق ادا کرو۔ اُس روز سے اُس کا نام ''ابوجہل'' ہوگیا ورنہ اُس کا اصلی نام عمرو بن ہشام تھا۔ پس وہ جلدی سے اُٹھا اور اُس کا حق ادا کردیا۔ اُس کے ساتھی کہنے لگے کہ کیا تُو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ڈر گیا تھا؟ کہنے لگا جب وہ میرے پاس آئے تو میں نے اُن کے دائیں طرف کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں چمکدار حربے تھے اور بائیں طرف ایک اژدھا دانت نکالے ہوئے کھڑا تھا جس کے مُنہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اگر میں انکار کرتا تو وہ لوگ میرا پیٹ پھاڑ دیتے اور اژدھا مجھے نگل جاتا۔[2]

۹) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میری سُوئی گُم ہوگئی۔ گھر میں چراغ نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور میں وہ سُوئی پالی۔[3]

۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شدائد میں ثابت قدم اور مصائب و آلام میں صابر تھے۔ دُنیاوی معاملات میں زاہد اور آخرت کی طرف راغب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر عضو بلحاظ نورانیت معجزہ تھا۔ جب شبِ تاریک میں چلتے تو یوں لگتا جیسے چودھویں کا چاند نکلا ہُوا ہو۔[4]

۱۱) جلف البدوی نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر کہا کہ یہ وہ چہرہ ہے جو کسی جھوٹے

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۴

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

انسان کا نہیں ہوسکتا۔[1] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے عیاں ہوتی تھی۔

۱۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستے سے گذرتے وہ دو دن تک خوشبو سے مہکتا رہتا۔[2]

۱۳) صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینۂ اطہر جمع کرکے اُسے خوشبو کے طور پر استعمال کیا کرتی تھیں۔[3] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ عطر کی مانند تھا۔

۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن اقدس سے مُشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ عبدالجبار بن وائل نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرکے جس برتن میں کُلّی کرتے اُس کا پانی مُشک سے زیادہ خوشبودار ہوجاتا تھا۔[4]

۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، سایہ ظلمت ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا نُور تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دھوپ یا چاندنی میں تشریف فرما ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نُور اُن پر غالب آجاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریشِ مبارک میں سترہ تہیں نور کی تھیں جن کی چمک سے چہرۂ مبارک منور رہتا تھا۔[5]

۱۶) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عقب سے بھی اُسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے سے۔ قلبِ اقدس خواب میں بھی بیدار رہتا، صرف آنکھیں سوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب کی حالت میں بھی سُنتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلامِ جبرائیل علیہ السلام سماعت فرماتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱۔ صحیح مسلم

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱

[5] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲

بیٹھے ہوئے لوگ نہیں سُن پاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ اقدس مخزن ومحورِ علوم (علم کا خزانہ اور مرکز) تھا اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک مَصدَرِ لغاتِ کثیرہ (کثیر زبانوں کا سرچشمہ) تھی۔[۱]

۱۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس پر سے کوئی پرندہ نہیں گذرتا تھا۔ جسمِ اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور کوئی گزندہ (نقصان پہنچانے والا) کیڑا قریب نہیں آتا تھا۔[۲]

۱۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت تھی جس پر نُور چھایا رہتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مُہرِ نبوّت کو دیکھا، دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے جتنے ایک غدود کی طرح تھی۔ ابوزید انصاری کے بقول وہ بالوں کا ایک گچھا تھا۔[۳]

۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلا سے نکلتے تو وہاں سوائے مُشک کی سی خوشبو کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ استفسار پر فرمایا کہ ہمارے اجسام نے جنّت کی ہواؤں سے نشوونما پائی ہے۔[۴]

۲۰) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نرم زمین پر چلتے تو قدموں کے نشان ظاہر نہ ہوتے تھے مگر جب سخت زمین پر چلتے تو نقشِ قدم بن جاتا۔[۵]

۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چوپائے پر سواری کرتے تھے وہ لاغر اور ضعیف نہیں ہوتا تھا۔[۶]

۲۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک شخص بھیڑ کا گوشت لایا اور اُسے پکا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ گوشت کھاؤ لیکن ہڈی مت توڑنا۔ جب لوگ کھا چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہڈیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۱، ۵۲
[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲
[۳] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲
[۴] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲
[۵] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲
[۶] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۲

کے حکم سے کھڑی ہوجاؤ۔ پس وہ (بھیڑ) زندہ ہوکر اپنے مالک کے ساتھ چل پڑی۔ [1]

۲۳) روایت ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام کی شادی میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ایک بکری لائے مگر جبرائیل علیہ السلام نے اُسے ذبح کرنے سے منع کردیا۔ یہ امر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ پر گراں گذرا۔ دوروز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن جبیر انصاری کو اُس بکری کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب اُس کا گوشت پک کر تیار ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ مگر اِس کی ہڈی نہ توڑنا۔ کھانے کے بعد بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی تو وہ بکری زندہ ہوگئی۔ اُس کے دُودھ میں شفا پیدا ہوگئی اور اہل مدینہ نے اُس کا نام المبعوثہ (اُٹھائی گئی/بھیجی گئی) رکھ دیا۔ [2]

۲۴) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہجرت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں اُس وقت ایک صاع (۲۳۴ تولے کا پیمانہ یعنی تقریباً ۳ سیر [3]) جَو اور ایک بکری کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اُنھوں نے بکری کو ذبح کیا اور جَو کی روٹیاں تیار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اعلان کردو کہ جو کوئی کھانا کھانا چاہتا ہو وہ ابوایوب (رضی اللہ عنہ) کے گھر آجائے۔ یہ منادی سنتے ہی لوگوں کا جمِ غفیر اُمنڈ آیا اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا گھر کھچا کھچ بھر گیا۔ تمام لوگوں نے خوب سیر ہوکر کھایا لیکن کھانا ختم نہ ہُوا اور جُوں کا تُوں رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بچا ہُوا گوشت جمع کرکے بکری کی کھال میں بھر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ بکری کچھ دیر کے بعد زندہ ہوکر چلنے پھرنے لگی۔ [4]

۲۵) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں وادی میں میری لڑکی گم ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کو ساتھ لے کر وادی میں پہنچے اور اُس لڑکی کا نام لے کر پکارا۔ وہ

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۵۴

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۵۵

[3] فیروز اللغات اردو جامع (مطبوعہ فیروز سنز پاکستان)

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۵۵

لڑکی ''لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ'' (میں حاضر ہوں اور یہ میرے لیے سعادت ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہتی ہوئی برآمد ہوگئی۔[1]

۲۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ جب ہم جنگ خیبر سے واپس آرہے تو ایک ایسی وادی میں پہنچے جہاں بہت گہرا پانی تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیچھے سے دشمن کا خطرہ ہے اور آگے یہ گہرا پانی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سواری سے اُترے اور نماز پڑھ کر دُعا کی پھر فرمایا اللہ کا نام لے کر بڑھو۔ پس سب لوگ مع اپنی سواریوں کے وہ گہرا پانی بخیریت عبور کر گئے۔[2]

۲۷) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کرنے کے ارادے سے ایک رات ابولہب اور اُس کی بیوی ایک دیوار سے لگ کر کھڑے ہوگئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں سے گذرے تو ابولہب نے زور سے کہا ٹھہرو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ وہ دونوں اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے قابل نہ رہے، اُسی جگہ چپک کر رہ گئے اور رات بھر وہیں پھنسے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمازِ فجر سے فارغ ہوکر وہاں سے گذرے تو ابولہب نے فریاد کی کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائیں۔ فرمایا، اس کا اقرار کرو کہ آئندہ مجھے نہیں ستاؤ گے۔ چنانچہ اُنھوں نے اقرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا فرمائی اور وہ آزاد ہوگئے۔[3]

۲۸) مروی ہے کہ غزوۂ طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک راستے سے گزرے جس میں کیلے اور بیری کے درختوں کی بہتات تھی اور گزرنا بہت دشوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر بیری کا ایک درخت بیچ میں سے شگافتہ ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس میں سے گذر گئے۔ اُس دن سے اُس کا نام سدرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑ گیا۔[4]

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۵۵

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۵۵

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۵۵

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۵۶

۲۹) جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ'' کہتے تو ایک منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ جملے کہتا اور بددُعا کرتا۔ ایک رات وہ چراغ جلانے لگا تو اس کی اُنگلی میں آگ لگ گئی۔ ہر چند بجھانے کی کوشش کی مگر آگ برابر اُوپر کو بڑھتی گئی یہاں تک کہ اُس کا سارا بدن جل گیا۔[۱]

۳۰) ایک غریب شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اُس کے ساتھ قرض خواہ تھے جو اپنے قرض کا مطالبہ کررہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ تمھارے پاس جتنے خرمے ہیں لے آؤ۔ وہ کچھ خرمے لے کر دوبارہ حاضر ہُوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں مس کیا اور فرمایا کہ اس میں سے ہر قرض خواہ کا قرض چکا دو۔ پس اُن خرموں میں سے سب کا قرض ادا ہوگیا مگر وہ ختم نہ ہوئے اور اُسی طرح باقی رہے۔[۲] بخاری میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے متعلق بیان کی گئی ہے اور روایت بھی اُن ہی سے کی گئی ہے۔[۳]

۳۱) ایک دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سُوکھے درخت سے ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوئے تو وہ درخت ہرا بھرا ہوگیا اور اُس پر پھل لگ گیا۔[۴]

۳۲) جحفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے جس کا سایہ کم تھا۔ خدا نے اُس درخت کو گھنا کر کے اُس کا سایہ پھیلا دیا۔ بقولے، اُسی سے متعلق یہ آیت مبارکہ ہے:[۵] ''اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ''
(کیا تم نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر (کے پھیلا)

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۵۵
[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۵۷
[۳] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۳۲۴، ۳۲۴۔ بخاری، حدیث ۲۷۸۱
[۴] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۵۷
[۵] سورۃ الفرقان، آیت ۴۵

دیتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو (بے حرکت) ٹھہرائے رکھتا)[1]

۳۳) حجۃ الوداع کے موقع پر ایک شخص نبی گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اُس کے پاس کپڑے میں لپٹا ہُوا ایک بچّہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچّے پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور فرمایا، ''بتا میں کون ہوں؟'' اُس نے کہا، ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں۔'' فرمایا، ''اے مبارک! تُو نے سچ کہا۔'' پس اُس کا نام مبارک پڑ گیا۔[2]

۳۴) فتح مکّہ کے روز ایک پانچ سالہ بچّہ عامر بن کریز اپنے باپ عبداللہ بن عامر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کے مُنہ میں اپنا لعابِ اطہر ڈالا جسے اُس نے بڑے شوق سے چُوسا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیاسوں کو پانی پلائے گا۔ پس وہ زمین کے جس حصّے کو طے کرتا وہاں پانی ظاہر ہو جاتا تھا اور اُس کی سقّائی مشہور ہو گئی۔

۳۵) عتبہ بن ابی معیط ملعون نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس پر انتہائی قبیح حرکت کرنے کی کوشش کی مگر اُس کا تھوک اُڑ کر اُسی کے مُنہ پر آ پڑا اور اُس کے چہرے کو جلا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میں مکّہ میں ہوں یہ زندہ رہے گا اور جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو یہ قتل ہو جائے گا چنانچہ روزِ بدر وہ واصلِ جہنم ہو گیا۔[3]

۳۶) منقول ہے کہ مالِ غنیمت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حصّے میں جمانہ بنت زحاف نامی ایک کنیز آئی۔ بلال رضی اللہ عنہ اُسے لیے ایک وادی سے گذر رہے تھے کہ اُس کے قبیلے والوں نے حملہ کر دیا۔ بقولے، بلال رضی اللہ عنہ مارے گئے اور جمانہ تمام مال و اسباب لیکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گئی اور اُس کے باپ نے شہاب بن مازن سے اُس کی شادی کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُس واقعے کی خبر ہوئی تو سلمانؓ اور صہیبؓ کو بھیجا۔ اُنھوں نے جائے وقوعہ پر دیکھا کہ بلالؓ زمین پر مُردہ پڑے ہیں اور اُن کے نیچے سے خون بہہ رہا ہے۔ وہ اُن کی میّت لے کر

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۷

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۷

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۷

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دُعا کی اور تھوڑا سا پانی بلالؓ پر چھڑکا۔ حضرت بلالؓ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کی قدم بوسی کی۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے واقعے کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو جمانہ اور اُس کے ساتھیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ وہ اُن لوگوں کو پکڑ کر لے آئے۔ جمانہ اور شہاب وغیرہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگرچہ جمانہ مجھے محبوب ہے لیکن اب اس کا شوہر شہاب مجھ سے زیادہ مستحق ہے۔ یہ سُن کر شہاب نے اپنی دو کنیزیں، دو گھوڑے اور دو ناقے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیے۔[۱]

۳۷) حضور ﷺ کی خدمت میں مکرز عامری نے حاضر ہو کر کسی معجزے کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے سات کنکریاں اُٹھائیں جو آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں آتے ہی تسبیح کرنے لگیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کنکریاں رکھیں تو وہ خاموش ہو گئیں، اُٹھائیں تو پھر تسبیح کرنے لگیں۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[۲]

۳۸) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بروزِ جنگِ خیبر حضرت ﷺ کو دستِ بُزغالہ (پہاڑی بکری کی دستی کا گوشت) میں زہر دیا گیا اور جب حضرت ﷺ نے لقمہ تناول فرمایا تو اُس گوشت نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے۔[۳]

۳۹) روایت ہے کہ نبی معظم ﷺ کی خدمت میں ایک اُونٹ حاضر ہُوا، اُس نے چارے کی کمی اور گرانی بار کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اُس کے مالک کو بلوایا اور فرمایا کہ تیرے اُونٹ نے ایسی شکایت کی ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اس نے نافرمانی کی تھی جس کی سزا دی گئی۔

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۵

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۵

[۳] علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، جلاء العیون

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُونٹ سے فرمایا کہ اپنے مالک کے ساتھ چلا جا، وہ سر جھکا کر چل دیا۔ مالک نے اُسے بحرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آزاد کر دیا۔ اس کے بعد وہ بازاروں میں پھرتا رہتا اور لوگ کہتے یہ اُونٹ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ ہے۔[۱]

۴۰) عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ فتح خیبر کے مالِ غنیمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصّے میں ایک گدھا بھی شامل تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر سوار ہوئے تو اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اُس نسل سے ہوں ستر گدھے جس سے انبیا (علیہم السلام) کی سواری بنے، ہماری نسل اب ختم ہوگئی ہے، میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔ زکریا نبی (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشارت دی تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اُس کے مالک کے پاس بھیجا۔ اُس نے سَر سے دروازہ کھٹکھٹایا اور جب اُس کا مالک گھر سے نکلا تو اُسے لے کر دوبارہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اشارہ کیا کہ دعوتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول کرو۔ مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہُوا تو اُس گدھے نے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا اور اُس کی قبر بنائی گئی۔[۲]

۴۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرفہ کے دن ایک اُونٹ خریدا۔ ایک رات وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ میں جنگل میں چر رہا تھا کہ درندے میری طرف آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ناقہ ہے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقتِ رحلت قریب آیا تو وہ اُونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میں کس کے پاس جاؤں؟ فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ علیہا السلام کے پاس جاؤ جو تجھ پر دُنیا و آخرت میں سواری فرمائیں گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو وہ جناب سیّدہ علیہا السلام کے پاس حاضر ہُوا اور کہا، ''السّلام علیک یا بنت رسول اللہ! میرا کھانے پینے کو دِل نہیں چاہتا اور میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۴۰

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۴۱

وفات کے تین روز بعد وہ مر گیا۔[1]

۴۲) منقول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اصحابِ صفہ میں سے تھے اور اُن کے پاس ایک کاسے میں کھانا تھا۔ رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس میں اپنا دستِ مبارک ڈالا جس کی برکت سے وہ کھانا سب لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا جب کہ کاسہ اُسی طرح بھرا رہا۔[2]

۴۳) جنگ تبوک میں مسلمانوں پر بھوک کا غلبہ ہُوا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُونٹ نحر کرنے کی اجازت طلب کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ دسترخوان بچھاؤ۔ ایک شخص نے مٹھی بھر کھجوریں پیش کیں، دوسرا تھوڑی سی خوراک لایا، تیسرے نے بھی کچھ حاضر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا کی اور فرمایا اس میں سے اپنے اپنے برتن بھرلو۔ پس لشکر کے ہر آدمی نے اپنا اپنا برتن بھرا اور اُن میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے پیٹ بھر کر نہ کھایا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہو، ''اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ'' پھر فرمایا کہ جو یہ کلمہ پڑھے گا آتشِ دوزخ اُس پر حرام ہوگی۔[3]

۴۴) جنگِ خندق میں عمرہ بنت رواحہ کچھ کھجوریں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنھیں دسترخوان پر رکھا جن سے تین ہزار آدمی سیر ہوئے۔[4]

۴۵) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ضعف کا غلبہ دیکھ کر میں نے ایک بھیڑ کا بچّہ اور ایک صاع آٹا پکایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ تناول فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ہنڈیا مت اُتارو اور نہ ہی تنور کو ٹھنڈا کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام مسلمانوں کو کھانے میں شامل کیا۔

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۱

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۳

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۳
عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۲۴، ۳۲۵

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۳

بروایتے سات سو آدمی، بقولے آٹھ سو اور بروایتے ایک ہزار تھے کہ بیٹھنے کی جگہ تنگ پڑ گئی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا سے کشادہ ہوگئی اور سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا جب کہ ہنڈیا اُسی طرح بھری رہی اور روٹیاں بھی جوں کی توں رہیں۔[1]

۴۶) حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ایک دن ابوطلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھوک کا غلبہ دیکھا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا، ''تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے عرض کیا، ''جی ہاں!۔'' اُس وقت جتنے لوگ موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کو اپنے ساتھ لے لیا۔ ابوطلحہ نے اتنے لوگوں کو دیکھا تو گھبرا کر اُمّ سلیم سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو بہت سے لوگوں کو ساتھ لا رہے ہیں جب کہ ہمارے پاس تو اتنا کھانا ہے ہی نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمّ سلیمؓ سے فرمایا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے لے آ۔ وہ جَو کی چند روٹیاں اور تھوڑا سا گھی لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس کھانے پر اپنا دستِ برکت رکھا اور دس دس لوگوں کو بُلا کر کھلانا شروع کیا یہاں تک کہ اَسّی (۸۰) آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔[2]

۴۷) حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ حضرت اُمّ سلیم نے گھی کا ایک برتن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہدیہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خادم سے فرمایا کہ اسے خالی کر کے لوٹا دو۔ چنانچہ خادم نے روغن نکال کر برتن واپس کر دیا۔ اُمّ سلیمؓ نے دیکھا کہ وہ بدستور گھی سے بھرا ہُوا تھا۔ وہ ایک مدت تک اُس میں سے گھی نکال کر استعمال کرتی رہیں مگر وہ کبھی خالی نہ ہُوا۔[3]

ایسی ہی ایک روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اُمّ مالک فہریہؓ سے متعلق بھی

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۲۳ بحوالہ بخاری ومسلم کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۳

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۲۶ بحوالہ بخاری ومسلم کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۳

[3] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۲۲۹ کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ۱ ص ۴۳

بیان کی ہے۔[1]

۴۸) سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بُڑھیا کو شہد کا ایک پیالہ عطا فرمایا۔ وہ اُس میں سے روزانہ شہد کھاتی لیکن پیالہ ہمیشہ بھرا رہتا۔ ایک دن بُڑھیا نے اُس شہد کو دوسرے برتن میں اُنڈیل لیا پس وہ برکت جاتی رہی۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر احوال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''پہلا کام اللہ کا تھا مگر دُوسرا تیرا۔''[2]

۴۹) مروی ہے کہ ایک سائل رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کھانے کا سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُسے ''ستو'' (جو کا آٹا) دیا۔ اُس کے تمام اہل خانہ اور اُن کے مہمان وہ ستو متواتر کھاتے رہے مگر وہ کبھی کم نہ ہوئے۔ ایک دن اُس نے اُن کو تولا تو برکت جاتی رہی۔ اُس نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر تُو اُنھیں نہ تولتا تو ہمیشہ کھایا کرتا۔[3]

۵۰) حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے، ''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ ان میں برکت کے لیے دُعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دُعا کے بعد میں نے اُنھیں ایک تھیلے میں رکھ دیا اور روزانہ نکال کر کھاتا رہا۔ وہ کبھی کم نہیں ہوتی تھیں۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ تھیلے میں سے گر گئیں اور برکت جاتی رہی۔''[4]

۵۱) حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بہت شدید گرمی تھی، وادی خشک ہوگئی اور پانی نایاب ہوگیا۔ لوگوں نے رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگوایا، وضو کیا، کُلّی کر کے اُس میں ڈالی اور فرمایا اسے کنوئیں میں

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۳۰ بحوالہ صحیح ومسلم

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۴۳، ۴۴

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۴۴

[4] عبدالرحمٰن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۳۳۱، ۳۳۲

کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۴۴

ڈال دو۔ اُس کے ڈالتے ہی کنوئیں میں پانی اُبل پڑا اور اتنا بلند ہوگیا کہ ہم ہاتھ ڈال کر پانی لے لیتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے براابن عازب کو ایک تیر دے کر فرمایا کہ اسے کنوئیں میں گاڑ دو۔ تیر گاڑتے ہی کنوئیں سے پانی اُبل پڑا۔ قریش نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جادُو ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے روانہ ہونے لگے تو فرمایا کہ تیر نکال لو۔ تیر نکالتے ہی وہ کنواں پھر خشک ہوگیا۔[۱]

۵۲) حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک غزوے میں (قلتِ آب کے پیشِ نظر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تنور پر اپنا دستِ مبارک رکھا تو اُس میں سے پانی اُبل پڑا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک غزوے میں (پانی نایاب ہوگیا تو) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُنگشت مبارک سے پانی جاری ہوگیا جس سے تمام لوگ سیراب ہوئے۔[۲]

۵۳) زجاج سے مروی ہے کہ شہابِ ثاقب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قدیم شعرا کے کلام میں ''تیزی'' کی مثال ''برق وسیل'' سے دی گئی ہے اور اُن کے اشعار میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملتا جس میں ٹوٹنے والے ستاروں کا ذِکر ہو جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد شعرا نے یہ لفظ اور ایسے استعارے اپنے کلام میں استعمال کیے۔[۳]

۵۴) مؤرخین کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر شیطان کو رجم کیا گیا یعنی اُس کا داخلہ آسمانوں پر بند کردیا گیا۔[۴] پس جب شیطان آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو دہکتے ہوئے شعلوں یعنی شہابِ ثاقب سے اُسے بھگا دیا جاتا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے،

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۵۵

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۴۴

[۳] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ا ص ۴۴

[۴] علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۶ بحوالہ ابن واضح (متوفی ۲۹۲ ہجری)

اور بحوالہ تاریخ اشاعتِ اسلام دیوبندی ص ۲۱۸ طبع لاہور

''وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾''[1] (اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اُنھیں دیکھنے والوں کے لیے ستاروں سے آراستہ کردیا۔ اور ہر شیطان رجیم سے محفوظ بنادیا مگر یہ کہ کوئی شیطان وہاں کی بات چرالانا چاہے تو اُس کے پیچھے دہکتا ہُوا شعلہ لگا دیا گیا ہے۔)

۵۵) ایک بار سخت قحط کے زمانے میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلۂ رحمی فرماتے ہیں لیکن ہم بھوک سے ہلاک ہورہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُعا فرمائی اور قحط دُور ہوگیا۔[2]

۵۶) سراقہ بن مالک کے دُبلے پتلے ہاتھ دیکھ کر فرمایا کہ میرے بعد ایک دن آئے گا جب تمھارے اِن ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔ چنانچہ ایران فتح ہُوا تو سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمھارے سر پر کسریٰ کا تاج رکھا جائے گا چنانچہ فتح کے بعد اُن کے سر پر تاج رکھا گیا۔[3]

۵۷) زید بن صوحان سے فرمایا کہ تمھارا ایک عضو تم سے پہلے جنّت میں جائے گا پس اُن کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔[4]

۵۸) خیبر میں زبیر، یاسر سے لڑنے نکلے تو اُن کی ماں صفیہ نے کہا، ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا یاسر میرے بیٹے کو قتل کردے گا؟'' فرمایا، ''نہیں بلکہ تمھارا بیٹا اُس کو قتل کرے گا۔'' پس ایسا ہی ہُوا۔[5]

۵۹) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج کے میقات پہلے سے بتادیے تھے کہ عراق والوں کا یہ، شام والوں کا

---

[1] سورۃ الحِجر، آیت: ۱۶ تا ۱۸

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۴

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۵

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۶

[5] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۶

یہ، وغیرہ وغیرہ حال آنکہ اُس وقت یہ ملک فتح نہیں ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت کا ملک مشرق ومغرب میں پھیلے گا چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور شمال وجنوب کا ذِکر نہیں فرمایا لہٰذا اُدھر وسعتِ اسلام نہیں ہوئی۔ [1]

٦٠) جارود بن عمر اور سلمہ بن عباد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی ہیں تو بتائیں کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کون سے سوال لے کر آئے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے جارود کو اُس کے سوالات بتائے جن میں ایک صدقے سے متعلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اپنے بھائی کو اپنے چوپائے پر سوار کرانا اور اپنی بکری کا دُودھ پلانا افضل صدقہ ہے۔'' پھر سلمہ بن عباد سے فرمایا، ''اے سلمہ بن عباد! تم عبادتِ اوثان، یومِ سباسب اور عقلِ ہجین کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ عبادتِ اوثان سے متعلق فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡثَانًا [2] (تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو) اور یومِ سباسب تو خدا نے ظاہر کیا شبِ قدر میں جب ایک لمحے کو سورج نکلا مگر شعاع نہیں تھی اور رہی عقلِ ہجین تو اہلِ اسلام بدلہ پائیں گے اپنے خونوں کا اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، (اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ)'' [3] یہ سُن کر دونوں نے کلمۂ شہادتین پڑھا اور کہا کہ یہی ہمارے دل میں تھا۔ [4]

٦١) روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو سب لوگ چلے گئے سوائے ایک انصاری اور ایک ثقفی کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تمھاری کوئی حاجت ہے لہٰذا تم بتاؤ گے یا تمھارے کہے بِنا میں ہی بتاؤں؟ اُنھوں نے کہا کہ جناب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۷۴

[2] سورۃ العنکبوت، آیت ۱۷

[3] سورۃ الحجرات، آیت ۱۳

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۷۴

بتا دیں تا کہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اے برادر انصار! تم اُس قوم میں سے ہو جو اپنے نفس پر ایثار کرتی ہے، تُو فروی ہے اور یہ (دوسرا شخص) بدوی ہے۔ تُو حج وعمرہ اور اُن کے ثواب سے متعلق جاننا چاہتا ہے اور یہ (دوسرا شخص) صوم وصلوٰت اور اُن کے فوائد معلوم کرنا چاہتا ہے۔'' پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں سب کچھ بتا دیا۔[۱]

۶۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہُوا اور دستِ سوال دراز کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اُسی وقت ایک اور شخص آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ چار سو درہم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مستحق کو دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل سے فرمایا، ''اے شخص! (لو) یہ دینار ہیں .....الخ'' تھیلی دینے والا بولا، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ دینار نہیں درہم ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''خدا نے میری تصدیق کی ہے اور وہ مجھے جھٹلائے گا نہیں۔'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھیلی کو کھولا تو اُس میں سے دینار برآمد ہوئے۔ وہ شخص متعجب ہُوا اور قسم کھا کر بولا، ''میں نے تو اس میں درہم ہی ڈالے تھے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تُو سچا ہے، میں نے دینار کہا تو خدا نے درہموں کو دینار بنا دیا۔''[۲] (ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔)

۶۳) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں سخت علیل تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کر کے پانی مجھ پر چھڑکا، میں اُسی وقت شفایاب ہو گیا۔[۳]

۶۴) طفیل عامری نے اپنے جزام کے مرض کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی میں اپنا لعابِ دہن ڈال کر فرمایا کہ اس سے غسل کرو۔ طفیل عامری نے حکم کی تعمیل کی

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۷

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۷، ۴۸

[۳] سورۃ الحجرات، آیت ۱۲

اور شفا پائی۔ بروایتے قیس اور حسان بن عمرو خزاعی بھی اسی طرح شفایاب ہوئے۔[1]

۶۵) ایک شخص کو استسقا کی بیماری تھی (اس بیماری میں پیٹ بڑھ جاتا ہے اور شدید پیاس لگتی ہے)۔ عبید بن ربیعہ نے اُس کو دو گھوڑے بطور ہدیہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرک کا ہدیہ قبول نہ کیا اور تھوڑی سی مٹی میں اپنا لعابِ دہن ملا کر فرمایا کہ اسے پانی میں گھول کر پی جا۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور صحت یاب ہو گیا۔[2]

۶۶) ایک لڑکے کے سر کے بال جھڑ گئے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اُس کے بال اُگ آئے۔[3]

۶۷) اُحد میں ایک انصاری کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کو کٹی ہوئی جگہ سے ملا کر پھونک ماری تو وہ ٹھیک ہو گیا۔[4]

۶۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بے حیا عورت نے آ کر ایک لقمہ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے لقمہ دے دیا جسے کھاتے ہی وہ حیادار بن گئی۔[5]

۶۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک طبق میں خرمے رکھے تھے۔ ایک شخص حاضرِ خدمت ہُوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ کھاؤ۔ وہ بائیں ہاتھ سے کھانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اُس نے عرض کیا کہ میرا دایاں ہاتھ بیکار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دَم کیا تو اُس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔[6]

۷۰) ایک شخص نے ایک کمان جس پر عقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کی۔

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۸

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۸

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

[5] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

[6] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پر دستِ مبارک پھیرا تو تصویر غائب ہوگئی۔[1]

۷۱) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتادہ ابن نعمان کو دیکھا۔ قتادہ نے عرض کیا کہ تاریک رات ہے اور بارش بھی ہے، میں نے تو چاہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھوں گا اب تاریکی میں گھر جانا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے کھجور کی ایک شاخ دی اور فرمایا اس کی روشنی میں چلا جا۔[2] یعنی وہ شاخ مشعل کی طرح روشن ہوگئی تھی۔

۷۲) حباب بن الارت نے (دورانِ سفر میں) خوراک ختم ہوجانے کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بکری لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو اُن میں فوراً دُودھ اُتر آیا جو (نکالنے کے بعد) سفر سے واپسی تک باقی رہا۔[3]

۷۳) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صبح جناب سیّدۃ نساء العالمین علیہا السلام کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ حسنین علیہم السلام بھوکے ہیں تو اپنا لعابِ دہن اُنھیں چُسایا۔ دونوں بچّے سیر ہوکر سو گئے۔[4]

۷۴) ایک مرتبہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ ابوالہیثم کے گھر تشریف لے گئے۔ اُنھوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رض کا آنا میرے لیے باعثِ مسرت ہوتا اگر میرے گھر میں کھانے کو کچھ موجود ہوتا، جو کچھ پاس تھا وہ سب پردیسیوں کو دے چکا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے گھر میں کھجور کا ایک نوعمر درخت دیکھ کر فرمایا کہ اے ابوالہیثم! اگر اجازت دو تو میں اس سے کچھ لے لوں؟ اُنہوں نے کہا کہ یہ درخت تو نیا ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس میں ابھی پھل نہیں آیا ویسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اختیار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

[3] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

[4] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹

علیہ السلام سے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اُس میں سے کچھ پانی نوش فرما کر باقی اُس درخت پر چھڑک دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نوعمر درخت میں پھل لگ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے پڑوسیوں کو بلاؤ۔ پھر وہ پھل سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ یہی وہ نعمت ہے جس کے لیے لوگ روزِ قیامت سوال کریں گے یا بقول ے فرمایا کہ یہ بہشت کی نعمتوں میں سے ہے۔ اے علی! اس میں سے فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کے لیے لے لو۔ منقول ہے کہ سانحہ حرہ کے وقت یزیدیوں نے اُس درخت کو کاٹ ڈالا تھا۔[1]

۷۵) روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب سے بیدار ہو کر ہاتھ دھوئے، کُلّی کی اور کُلّی کا پانی ایک درخت پر ڈال دیا۔ درخت پر فوراً ہی شہد سے زیادہ شیریں سرخی مائل پھل آ گیا اور عنبر کی سی خوشبو نکلنے لگی۔ اگر کوئی بھوکا اُس درخت کا ایک پھل کھا لیتا تو سیر ہو جاتا، بیمار شفا پاتا اور پیاسا اُس کا عرق پی کر سیراب ہو جاتا۔ اُس کے پتّے کھانے سے حیوان دُودھ دار بن جاتے۔ مال میں رکھنے سے برکت پیدا ہوتی اور یہ برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رِحلت کے بعد اُس درخت کے پھل گر گئے، بعد میں جو لگے اُن کے ذائقے میں فرق آ گیا اور پتّے بھی چھوٹے ہو گئے۔ تیس سال تک اُس کی یہی حالت رہی۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُس میں پھل لگنا بند ہو گئے۔ کچھ مدّت تک یہی حالت رہی جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو اُس کے تنے سے تازہ خون اُبلنے لگا اور پتّوں سے ایسا سرخی مائل پانی نکلنے لگا جیسا گوشت سے نکلتا ہے۔[2]

۷۶) حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکّہ کی گلیوں میں نکلتا تو ہر پتھر اور درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کرتے ہوئے کہتا، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُولَ اللہ ۝''[3]

---

[1] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۹، ۵۰

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۵۰

[3] جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۲

۷۷) حضرت سمرہ بن جندبؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ایک کونڈے سے ہم صبح سے رات تک کھانا کھاتے رہے۔ وہ اس طرح کہ دس آدمی کھانے سے اُٹھتے اور دس اور آ کر بیٹھ جاتے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے سمرہؓ سے پوچھا کہ کیا اُس کونڈے میں مزید کھانا نہیں ڈالا جاتا تھا؟ کہا کہ تم کس بات پر تعجب کر رہے ہو؟ اُس میں ''اُسی'' طرف سے بڑھایا جارہا تھا اور ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔[۱]

۷۸) حضرت ابوزید بن اخطب سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے دُعا کی۔ مروی ہے کہ وہ ایک سوبیس سال تک زندہ رہے اور (آخردم تک) اُن کے سر کے چند ایک بال ہی سفید ہوئے تھے۔[۲]

۷۹) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حبش کے بادشاہ نجاشی کی وفات ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس پر غائبانہ نماز پڑھی۔ مدینہ سے سرزمین حبش تک حجابات اُٹھا دیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تختِ نجاشی کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ منافقوں کو یہ سب معلوم ہوا تو اُنھوں نے اس بارے میں چہ میگوئیاں کیں لیکن نجاشی کے انتقال کی خبریں چاروں طرف سے آ گئیں اور موت کا وقت بھی وہی بتایا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔[۳]

۸۰) فضالہ بن ابی فضالہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو خبر دی کہ ایک بدبخت ترین شخص تمھارے سر پر ضرب لگائے گا اور انس بن الحارثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرا بیٹا حسین (علیہ السلام) ارضِ عراق پر شہید کیا جائے گا پس جو اُس کو پائے اُسے چاہیے کہ اُس کی مدد کرے چنانچہ انس بن الحارثؓ کربلا میں ہی شہید ہوئے۔[۴]

---

[۱] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۱

[۲] جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۵

[۳] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۵

[۴] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۶۰

اوصافِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیگر آسمانی کتب میں

عطاء بن یسار کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملاقات کی۔ وہ کتب سابقہ کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے لہٰذا میں نے اُن سے کہا کہ مجھے تورات میں مذکور کمالاتِ مصطفویہ اور اوصافِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خبر دیں۔ اُنھوں نے کہا، ''بخدا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تورات میں بھی بعض ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہیں جو قرآنِ عظیم میں موجود ہیں۔ تورات میں ہے کہ اے عظیم الشان نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! بے شک ہم نے تمھیں مبعوث فرمایا درآنحالیکہ تم اُمت کے احوال پر مُطّلع وشاہد ہو اور فرمانبرداروں کو جنّت اور ابدی راحتوں کی بشارت دینے والے اور کفّار و مشرکین اور نافرمانوں کو عذابِ جہنم سے ڈرانے والے ہو۔ تم اُمت کی پناہ اور ملجا و ماوا ہو۔ تم میرے بندۂ خاص اور رسولِ مخصوص ہو، میں نے تمھیں متوکل کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ تم نہ سخت کلام ہو اور نہ ہی سخت دل اور نہ بازاروں میں بلند آواز سے شور وشغب کرنے والے ہو۔ تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر سے کام لیتے ہو اور ظلم و زیادتی کرنے والے کے لیے دُعائے مغفرت فرماتے ہو۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے دریافت کیا کہ تورات میں اوصافِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس طرح بیان فرمائے گئے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اُس میں یہ لکھا ہُوا دیکھتے ہیں، ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اُن کی جائے پیدائش مکّہ مکرمہ ہے اور مقامِ ہجرت مدینہ طیبہ۔ اللہ کے یہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہ فحش گو ہیں اور نہ ہی بازاری زبان استعمال کرنے والے اور نہ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینے والے ہی بلکہ پیکرِ عفو و درگذر رہیں۔'' کعب احبار سے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ بحوالہ تورات یوں بھی مرقوم ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نہ سخت کلام اور دُشنام طراز (گالی گلوچ کرنے والے) ہیں اور نہ ہی سخت دل اور بے رحم، نہ

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ص ۵۴

بازاروں میں شور وشر کرنے والے اور نہ بدی کا بدلہ بدی سے دینے والے ہی بلکہ عفو سے کام لینے والے ہیں اور ایذا پہنچانے والوں کو دُعاؤں سے نوازنے والے ہیں۔'' ایک جگہ الفاظ کے ردوبدل اور اضافے کے ساتھ کعب احبار سے یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ تورات کے حصّہ اوّل میں سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اِن الفاظ میں کی گئی ہے، ''محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے پسندیدہ بندے ہیں، وہ نہ درشت کلام ہیں اور نہ ہی سنگدل، نہ بازاری لب ولہجہ اختیار کرنے والے نہ ہی بدی کی جزا بدی سے دینے والے بلکہ پیکرِ عفوو مغفرت ہیں۔ ان کا مقامِ ولادت مکّہ مکرمہ اور محلِ ہجرت مدینہ طیبہ ہے...الخ۔'' اور حصّہ ثانی میں ہے، ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسولِ خدا اور برحق نبی ہیں۔''[1]

ابنِ ابی نملہ نے کہا کہ یہودِ بنو قریظہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذِکر اپنی کتابوں میں پڑھتے تھے اور اپنی اولاد کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف وکمالات اور اسمائے جمال بتلاتے کہ اُن کا مقامِ ہجرت یہی ہمارا مسکن مدینہ طیبہ ہے۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہُوا تو حسد کی آگ میں جل گئے اور اعترافِ حق سے منکر ہو کر بغاوت کردی۔[2]

ابو سعید خُدری کہتے ہیں میرے والد مالک بن سنان نے یوشع یہودی کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اُس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آچکا ہے جن کو احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پکارا جائے گا اور جن کا ظہور حرمِ مکّہ سے ہوگا۔ خلیفہ بن ثعلبہ نے ازراہِ مزاح واستہزا اُس سے کہا کہ اُس نبی کی صفت وشان کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ درمیانے قد والے ہوں گے یعنی نہ بہت طویل اور نہ ہی بالکل کوتاہ قامت، اُن کی آنکھوں میں باریک سُرخ دھاریاں ہوں گی، وہ چادر اوڑھیں گے اور یہ شہر مدینہ اُن کا مقامِ ہجرت ہوگا۔[3]

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۵

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۹

[3] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۶۰

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں اسکندریہ میں قیام پذیر رہا، وہاں کی عبادت گاہوں میں موجود تمام رومی اور قبطی علما سے دریافت کیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون سے اوصاف اپنی کتب اور صحیفوں میں پاتے ہیں؟ ایک قبطی عالم نے جو کہ ابویمنس والے معبد کا بڑا اصدر الصدور اور راس العلما تھا کہا کہ وہ ایسے نبی ہیں کہ عیسیٰ روح اللہ نے ہمیں اُن کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ وہ نبی اُمّی وعربی ہیں، نامِ گرامی اُن کا احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، زیادہ طویل القامت ہیں نہ بالکل کوتاہ قامت، اُن کی آنکھوں میں باریک سرخ دھاریاں ہیں، رنگت بالکل سفید نہ خالص گندم گوں بلکہ یوں ہے جیسے چاندی پر سونے کا پانی چڑھا ہو، اپنے سر اور داڑھی مبارک کے بال (مناسب حد تک) بڑھائیں گے، موٹے کھردرے کپڑے استعمال کریں گے اور قلیل ترین خوراک پر کفایت وقناعت فرمائیں گے۔ [۱]

تورات میں جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلائلِ نبوّت میں ہے کہ باری تعالیٰ طورِ سینا سے تجلی فرما ہُوا اور کوہِ ساعیر سے اُس کے انوار ظہور پذیر ہوئے اور فاران کی چوٹیوں سے خود جلوہ نما ہُوا۔ [۲] اللہ تعالیٰ کے کوہِ سینا سے تجلی فرما ہونے کا مطلب اہلِ کتاب اور ہمارے نزدیک بالاتفاق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وہاں تورات نازل فرمائی اور کوہ ساعیر سے اس کے انوار کا ظہور بھی سب کے نزدیک بایں معنی یہی ہے کہ اُس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اُس مقام پر اعلانِ نبوّت کا حکم دیا اور کتاب انجیل مرحمت فرمائی۔ جب کوہِ سینا اور ساعیر سے متجلی وظہور پذیر ہونے کا مطلب یہ ہے تو لامحالہ اللہ ربُّ العزت کے جبلِ فاران سے خود ظہور فرما ہونے کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ اُس نے وہاں نَبی الانْبیاء عَلَیْہِ التحیّۃُ وَالثّناء کو سب کتب سماویہ اور صحفِ قدیمہ پر محیط ومشتمل اور اسرار ورموزِ خلق پر حاوی کتاب عطا فرمائی کیونکہ اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام سبھی کا اس پر اتفاق ہے کوہِ فاران مکّہ مکرمہ میں ہے۔ [۳]

---

[۱] عبد الرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۶۳

[۲] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱ ص ۱۴۱

[۳] عبد الرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۸۱

زبور کے ایک باب میں رقم ہے، ''اللہ تعالیٰ نے اُن کو صیفون یعنی عرب سے ظاہر فرمایا جب کہ وہ قابلِ ستائش (محمود) اکلیل و تاج (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت و حکومت کی طرف اشارہ ہے) ہیں۔'' ایک اور باب میں رقم ہے، ''آنے والے نبی سمندروں اور دریاؤں سے منتہائے ارض تک کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے۔ اہلِ جزائر اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے اور اُن کے دشمن خاک بوسی کریں گے۔ بادشاہ نذرانے لے کر حاضر ہوں گے اور حقِ تعظیم و تکریم بجالائیں گے اور تمام اُمم و قبائل اُن کے سامنے اطاعت سے پیش آئیں گے کیونکہ وہ مجبور اور مفلوک الحال غربا و ضعفا کو زبردستوں اور ظالموں کے پنجۂ استبداد سے چھٹکارا دلائیں گے اور ضعیفوں ناتوانوں پر رافت و رحمت فرمائیں گے۔ بلادِ سبا کے خزانے اُن کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اُن پر ہر وقت دُرود پڑھا جائے گا اور ہر دن برکت دی جائے گی اور اُن کا ذِکر ہمیشہ قائم و دائم رہے گا۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق توریت سفرِ اوّل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیان کردہ بشارتیں ہیں، سفرِ دوم میں پندرہ بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیان کردہ ہیں، سفرِ سوم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی بشارتیں ہیں اور عویبنا، حیقوق، حزقیل، دانیال اور شعیا کی بھی بشارتیں ہیں۔ زبور میں ہے کہ داؤد علیہ السلام نے کہا، ''خداوند! زمانۂ فترت (لغت میں "فترت" کے معنی ایسے وقت کے ہیں جو دو زمانوں کے درمیان واقع ہوتا ہے اور اسلامی اصطلاح میں دو پیغمبروں کی بعثت کے درمیان جو فاصلہ واقع ہوتا ہے اس کو فترت کہتے ہیں۔) کے بعد سنت کا ایک قائم کرنے والا بھیج۔ انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، ''فارقلیط (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے بعد آئیں گے، وہ ہر شے کے کلمات کی تفسیر بیان کریں گے اور میری گواہی اس طرح دیں گے جیسے میں اُن کی گواہی دے رہا ہوں۔ میں امثال کو لایا ہوں اور وہ تمھارے پاس تاویل کو لائیں گے۔''[2]

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۸۵

[2] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ا

کعب بن لوی بن غالب کے پاس بروز جمعہ لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ اُس دن کا نام اُس زمانے میں عروبہ تھا۔ کعب نے جمعہ نام رکھا۔ کعب اُس روز لوگوں کے سامنے خطبہ بیان کرتے تھے اور اُس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی خبر دیتے تھے۔ اُنھوں نے آخری خطبہ اصحاب فیل کے واقعے سے پانچ سو بیس (۵۲۰) سال پہلے دیا تھا۔[۱]

ابن بابویہ نے کتاب النبوّہ میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تبع (شاہِ یمن تبع حمیری) نے قبیلہ اوس و خزرج سے کہا کہ تم یہاں رہو جب تک کہ نبی آخرالزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہو، اگر میں نے اُن کو پالیا تو اُن کی خدمت کروں گا۔ اُس نے ایک تحریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لکھی جس میں اپنے ایمان لانے کا ذِکر کیا اور یہ خواہش کی کہ روزِ قیامت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی شفاعت فرمائیں۔ اُس نے وہ تحریر ایک عالم کے سپرد کر دی اور وہاں سے چلا گیا۔ اُس کی موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے ایک ہزار سال پہلے ہندوستان کے شہر خلسان میں ہوئی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور اکثر اہلِ مدینہ ایمان لے آئے تو وہ تحریر بنی سلیم کے ایک شخص ابولیلیٰ کے پاس تھی۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس سے وہ تحریر طلب فرمائی۔ ابولیلیٰ حیران رہ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کا علم کیسے ہو گیا؟ غرض وہ تحریر اُس نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے پڑھوا کر سُنا اور فرمایا، ''مرحبا میرے برادرِ صالح کے لیے۔''[۲]

شاہِ یمن تبع حمیری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ہزار سال پیشتر یمن کا بادشاہ تبع حمیری تھا، ایک مرتبہ وہ اپنی سلطنت کے دَورے کو نکلا، بارہ ہزار عالم اور حکیم، ایک لاکھ بتیس ہزار سوار اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیادہ اپنے ہمراہ لئے اس شان سے نکلا کہ جہاں بھی پہنچتا اس کی شان و شوکت دیکھ کر مخلوقِ خدا

---

[۱] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ا

[۲] کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن، ج ا ص ۲

چاروں طرف نظارے کوجمع ہوجاتی تھی۔ یہ بادشاہ جب دَورہ کرتا ہوا مکہ معظّمہ پہنچا تو اہلِ مکہ سے کوئی اُسے دیکھنے نہ آیا۔ بادشاہ حیران ہوا اور اپنے وزیر اعظم سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس شہر میں ایک گھر ہے جسے بیت اللہ کہتے ہیں، اُس کی اور اُس کے خادموں کی جو یہاں کے باشندے ہیں تمام لوگ بے حد تعظیم کرتے ہیں اور جتنا آپ کا لشکر ہے اس سے کہیں زیادہ دُور اور نزدیک کے لوگ اُس گھر کی زیارت کو آتے ہیں اور یہاں کے باشندوں کی خدمت کر کے چلے جاتے ہیں پھر آپ کا لشکر اُن کے خیال میں کیوں کر آئے؟ یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں اس گھر کو کھدوا دوں گا اور یہاں کے باشندوں کو قتل کرادوں گا۔ یہ کہنا تھا کہ بادشاہ کے ناک منہ اور آنکھوں سے خون بہنا شروع ہوگیا اور ایسا بدبودار مادہ بہنے لگا کہ اُس کے پاس بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ اس مرض کا علاج کیا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ شام کے وقت شاہی علما میں سے ایک عالم ربانی تشریف لائے اور نبض دیکھ کر فرمایا کہ مرض آسمانی ہے اور علاج زمین کا ہو رہا ہے۔ اے بادشاہ! آپ نے اگر کوئی بُری نیت کی ہے تو فوراً اس سے توبہ کریں۔ بادشاہ نے دل ہی دل میں بیت اللہ شریف اور خدامِ کعبہ سے متعلق اپنے ارادے سے توبہ کی، توبہ کرتے ہی اس کا وہ خون اور مادہ بہنا بند ہوگیا اور پھر صحت کی خوشی میں اُس نے بیت اللہ شریف پر ریشمی غلاف چڑھایا اور شہر کے ہر باشندے کو سات سات اشرفی اور سات سات ریشمی جوڑے نذر کیے اور یہاں سے چل کر مدینہ منورہ پہنچا تو ہمراہ علما نے جو کتبِ سماویہ کے عالم تھے وہاں کی مٹی کو سونگھا اور کنکریوں کو دیکھا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت گاہ کی جو علامتیں انھوں نے کتبِ سماویہ میں پڑھی تھیں اُن کے مطابق اُس سرزمین کو پایا تو باہم عہد کرلیا کہ ہم یہاں ہی مرجائیں گے مگر اس سرزمین کو نہیں چھوڑیں گے اور اگر ہماری قسمت نے یاوری کی تو کبھی نہ کبھی تو جناب نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائیں گے ہی اور ہمیں بھی زیارت کا شرف حاصل ہوجائے گا ورنہ ہماری قبروں پر تو ضرور اُن کی جوتیوں کی مقدس خاک اُڑ کر پڑ جائے گی جو ہماری نجات کیلئے کافی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ان عالموں کے واسطے چار سو مکان بنوائے اور اُس بڑے عالم ربانی کے مکان

کے پاس حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطر ایک دومنزلہ عمدہ مکان تعمیر کروایا اور وصیت کردی کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائیں تو یہ مکان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرام گاہ ہو اور اُن چار سو علما کی کافی مالی امداد بھی کی اور کہا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو اور پھر اُس بڑے عالم ربانی کو ایک خط لکھ کر دیا اور کہا کہ میرا یہ خط اُس نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دینا اور اگر زندگی بھر تمھیں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کا موقع نہ ملے تو اپنی اولاد کو وصیت کر دینا کہ نسلاً بعد نسلاً میرا یہ خط محفوظ رکھیں حتیٰ کہ سرکارِ ابد قرار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ یہ کہہ کر بادشاہ وہاں سے چل دیا۔ وہ خط نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک ہزار سال بعد پیش ہُوا۔ خط میں لکھا تھا، ''شَفِیعُ الْمُذْنِبِیْنَ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں، کمترین مخلوق تبع اوّل حمیری کی طرف سے: امابعد، اے اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاتا ہوں اور جو کتاب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوگی اُس پر بھی ایمان لاتا ہوں اور میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دِین پر ہوں۔ پس اگر مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت کا موقع مل گیا تو بہت اچھا و غنیمت اور اگر میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت نہ کر سکا تو میری شفاعت فرمانا اور قیامت کے روز مجھے فراموش نہ کرنا کیونکہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پہلی اُمت میں سے ہوں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد سے پہلے ہی بیعت کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُس کے سچے رسول ہیں۔''

شاہِ یمن کا یہ خط نسل در نسل اُن چار سو علما کے اندر حرزِ جان کی حیثیت سے محفوظ چلا آیا یہاں تک کہ ایک ہزار سال کا عرصہ گزر گیا۔ اُن علما کی اولاد اس کثرت سے بڑھی کہ مدینہ کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور یہ خط دست بدست مع وصیت کے اُس بڑے عالم ربانی کی اولاد میں سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور آپ نے وہ خط اپنے غلامِ خاص ابولیلیٰ کی تحویل میں رکھا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی اور مدینہ کے کوہِ وداع کی گھاٹیوں ''مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع'' سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُونٹنی نمودار ہوئی اور مدینہ کے خوش نصیب لوگ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرنے جوق در جوق آ رہے تھے اور کوئی اپنے مکانوں کو سجا رہا تھا اور کوئی گلیوں اور سڑکوں کو صاف کر رہا تھا اور کوئی دعوت کا انتظام کر رہا تھا اور سب یہی اصرار کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُونٹنی کی نکیل چھوڑ دو جس گھر میں یہ ٹھہرے گی اور بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ جو دومنزلہ مکان شاہِ یمن تبع حمیری نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر بنوایا تھا وہ اُس وقت حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُونٹنی اُسی میں جا کر ٹھہر گئی۔ پس، ابولیلیٰ کو شاہِ یمن تبع حمیری کا خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں دیکھتے ہی فرمایا، ''تُو ابولیلیٰ ہے؟'' یہ سن کر ابولیلیٰ حیران رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، شاہِ یمن کا جو خط تمہارے پاس ہے لاؤ وہ مجھے دو۔ چنانچہ ابولیلیٰ نے وہ خط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط کو دیکھ کر فرمایا، صالح بھائی تبع کو آفرین وشاباش ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا تمام انبیائے کرام سے عہد لینا

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی ہدایتِ خلق کے لیے مبعوث فرمایا اُس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق عہد لیا کہ اگر وہ تمھاری دنیوی حیات کے اندر تشریف لائیں تو ضرور اُن پر ایمان لاؤ گے، اُن کی نصرت وامداد کرو گے اور اپنے اُمتیوں سے بھی اس کا عہد لو گے۔[2]

---

[1] ڈاکٹر عبدالقدیر خان، روزنامہ جنگ، ۱۸ اگست ۲۰۱۶ء بحوالہ: میزان الادیان، کتاب المُستظرف، حجۃ اللہ علے العالمین، تاریخ ابن عساکر. البدایۃ والنہایۃ

[2] عبدالرحمٰن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۵۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر و ناظر

''حاضر'' موجود کو کہتے ہیں اور ''ناظر'' دیکھنے والے کو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجود بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام دُنیا میں تشریف لائے اور اپنے اپنے عہد میں اپنا اپنا فریضۂ نبوّت ادا کر کے دُنیا سے تشریف لے گئے لیکن خاتم الانبیا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بظاہر دُنیا سے تشریف لے جانے کے باوجود موجود ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عہد بھی ابھی تک موجود ہے جس کی زندہ مثال پانچ وقت دی جانے والی اذان اور کلمۂ شہادت کے الفاظ ہیں جن میں گواہی دی جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ''ہیں''، یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ کے رسول ''تھے۔''

مزید یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام جب تشریف لائے تو اپنی اپنی شریعت بھی لے کر آئے اور اُن کے جانے کے بعد اگلے آنے والے نبی اپنی شریعت لے کر آئے اور پچھلی شریعت منسوخ کر دی گئی لیکن نبی اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت آج تک باقی ہے اور تا قیامت رہے گی جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجود ہیں۔

تمام انبیا علیہم السلام کے معجزے اُن کے دُنیا سے جاتے ہی ختم ہو گئے مثلاً عصائے عیسیٰ علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا قالین وغیرہ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ ''قرآن'' آج بھی باقی ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم موجود نہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ معجزہ کیسے موجود رہتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ میں دُرود سنتا ہوں اور اُس کا جواب بھی دیتا ہوں۔[1] پس جواب وہی دے سکتا ہے جو موجود یعنی حاضر ہوتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ جو موجود ہو وہ دیکھتا بھی ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ موجود ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیکھنے کا یعنی ناظر ہونے کا اور تخلیق کائنات سے بھی پہلے سے

---

[1] محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) القول البدیع ص ۱۱۲۔ مفتی محمد امین، آب کوثر ص ۸۴، ۸۵، ۸۷
محمد عبد الحق مہاجر، دلائل الخیرات کانپوری ص ۱۸۔ آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ ج ۱۸ ص ۱۲۳

موجود ہونے کا ثبوت قرآن مجید میں ہے۔ متعدد قرآنی آیات میں خداوند تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے حبیب (ﷺ)! کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا؟'' ان میں کثیر تعداد ایسی آیات مبارکہ کی ہے جن میں ماضی بعید کے حوالوں سے بات کی گئی ہے یعنی ایسے ادوار کی جو بظاہر آپ ﷺ کی ولادت سے برس ہا برس پہلے کے تھے۔ اگر خداوند متعال اپنے نبی ﷺ سے یہ فرما رہا ہے ''اَلَمْ تَرَ'' یعنی کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا؟ تو لامحالہ آپ ﷺ نے وہ سب دیکھا ہوگا، اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ایک ایسی بات فرمائے جو کبھی ہوئی ہی نہ ہو، تو ماننا پڑے گا کہ جہاں جہاں پروردگار نے فرمایا کہ کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا؟ وہ سب آپ ﷺ نے یقیناً دیکھا ہوگا یعنی آپ ﷺ وہاں موجود بھی تھے اور دیکھ بھی رہے تھے بالفاظ دیگر آپ ﷺ حاضر بھی تھے اور ناظر بھی۔

ذیل میں قرآن پاک کی چند ایک ایسی آیات مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں جن میں خدا تعالیٰ نے ''اَلَمْ تَرَ'' (اے حبیب ﷺ کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا؟) کے الفاظ سے آپ ﷺ کو مخاطب فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ [1]

(اے محبوب ﷺ!) کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا کہ آپ (ﷺ) کے رب نے عاد (قومِ عاد) کے ساتھ کیسا (سلوک) کیا۔)

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝١٥ [2]

(اے حبیب ﷺ!) کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات (یا متعدد) آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ (طبق در طبق) پیدا فرمائے۔)

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١

---

[1] سورۃ الفجر، آیت ٦

[2] سورۃ نوح، آیت ١٥

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔)[۱]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾[۲]

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور اُنھوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾[۳]

(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے اُن کے پروردگار کے بارے میں صرف اس بنا پر بحث وتکرار کی تھی کہ خدا نے اُسے سلطنت دے رکھی تھی، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا تھا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بخشتا بھی ہے اور مارتا بھی ہے، اُس (شخص) نے کہا میں بھی زندگی بخشتا اور مارتا ہوں (اس پر) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تُو اسے مغرب سے نکال، اس پر کافر مبہوت (ہکا بکا) ہو گیا، خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ[۴]

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق (پر مبنی حکمت) کے ساتھ پیدا فرمایا۔)

---

[۱] سورۃ الفیل، آیت ۱

[۲] سورۃ ابراھیم، آیت ۲۸

[۳] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۵۸

[۴] سورۃ ابراھیم، آیت ۱۹

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ [1]

(اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (سب) اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور پرندے (بھی فضاؤں میں) پر پھیلائے ہوئے (اُسی کی تسبیح کرتے ہیں)، ہر ایک (اللہ کے حضور) اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾ [2]

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے حالانکہ وہ ہزاروں (کی تعداد میں) تھے تو اللہ نے اُنھیں حکم دیا کہ مر جاؤ (سو وہ مر گئے)، پھر اُنھیں زندہ فرما دیا، بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى‌ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا‌ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآٮِٕنَا‌ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾

(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جب اُنھوں نے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم (اُس

---

[1] سورۃ النور، آیت ۴۱

[2] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۴۳

کی زیرقیادت) راہِ خدا میں جنگ کریں، اُس نبی نے فرمایا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب جنگ تم پر واجب ہو جائے۔ تو پھر تم جنگ نہ کرو، اُنھوں نے کہا کہ ہم کیونکر جنگ نہیں کریں گے؟ جب کہ ہمیں اپنے گھروں اور اہل و عیال سے باہر نکال دیا گیا ہے، مگر جب جنگ اُن پر واجب قرار دی گئی تو اُن کے تھوڑے سے آدمیوں کے سوا باقی سب کے سب منحرف ہو گئے (پیٹھ پھیر گئے) اور خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے)۔ [1]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ [2]

(توجہ فرمائیں: یہ آیتِ سجدہ ہے، اس کو پڑھنے کے بعد سجدہ واجب ہے۔)

(اے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم!) کیا آپ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے لیے (وہ ساری مخلوق) سجدہ ریز ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج (بھی) اور چاند (بھی) اور ستارے (بھی) اور پہاڑ (بھی) اور درخت (بھی) اور جانور (بھی) اور بہت سے انسان (بھی)، اور بہت سے (انسان) ایسے بھی ہیں جن پر (اُن کے کفر و شرک کے باعث) عذاب ثابت ہو چکا ہے، اور اللہ جسے ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

---

[1] سورۃ البقرۃ، آیت ۲۴۶

[2] سورۃ الحج، آیت ۱۸

نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی　　　آپ ہی ہیں مرا آسرا آخری
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
ہے ''اُحد'' سے بڑا میرا ہر اک گناہ　　آپ ہی کے کرم سے ہو بخشش مری
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
روزِ محشر جو آؤں میں سہما ہوا　　　ہو شفاعت تری کاش آگے کھڑی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
غرقِ بحرِ ندامت غلام آج ہے　　　یا شہِ انبیا! تھام لیں مجھ کو بھی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
پھول، پتے، ستارے، قمر، آفتاب　　آپ ہی کی ثنا کر رہے ہیں سبھی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
آپ کے ہاتھ پر سنگ کلمہ پڑھیں　　آپ کی راہ میں سرنگوں ہر کوئی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
آپ کے حکم سے مہر واپس مڑا　　جو اشارہ ملا شق ہوا ماہ بھی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
ہائے طائف تری وادیوں کا ستم　　　ہائے سرکار کی وہ کرم پروری
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی
یا نبی یا نبی یا نبی یا نبی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

(کلام: سیّد حماد رضا بخاری)

دُعا

یارب ذوالجلال والاکرام! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، دُرود وسلام ہو تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آلِ اطہار علیہم السلام پر۔ تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعقیدت میں یہ کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ الٰہی! میری اس کاوش کو اپنی بارگاہِ جلیلہ میں قبول فرما اور اس میں جو غلطی اور کوتاہی ہوئی ہے اُسے معاف فرما کہ بے شک تُو معاف کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔ الٰہی! میری اس کوشش کو میرے لیے، میرے والدین کے لیے، میرے بھائی کے لیے، میری بہنوں کے لیے، میری اولاد و ازواج کے لیے، میرے احباب واقربا کے لیے، اس کتاب کے پڑھنے والوں اور اس کی تیاری میں معاونت کرنے والوں کے لیے ذریعہ نجات اور توشۂ آخرت بنا۔ (آمین یارب العالمین)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ○

تمت

مآخذ

(اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا گیا)

قرآن حکیم

آب کوثر، ازمفتی محمد امین

آسان مسائل، ازآیت اللہ سید علی سیستانی

اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ علیہاالسلام، ازعلامہ محمد محمدی اشتہاردی، مترجم سیّد علی شیر نقوی

اُمہات المومنین، ازگل احمد عطاری

ابواب المقدمات، ازدواج در اسلام، ازآیت اللہ مشکینی

ارشاد، ازشیخ مفید (متوفی ۱۰۲۲ء)

ازدواج اوراخلاقیات دراسلام، ازسیّد محمد رضوی

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ازعلی بن محمد ابن اثیر الجزری (متوفی ۸۳۸ ھجری)

اسعاف الراغبین برحاشیۃ نوالابصار شبلنجی (طبع مصر)

اسلام اورمسلمانوں کی تاریخ، ازخواجہ محمد لطیف

اسلامی ازدواج، جوان کے لیے تحفہ، ازشہب رضوی، طبع ورڈ اسلامک نیٹ ورک

اصح السیر، ازابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری

اعلام الوریٰ، ازعلامہ طبرسی (متوفی ۵۳۲ء)

اعیان الشیعۃ، ازسید محسن امین عاملی (متوفی ۱۹۵۳ء)

الاحتجاج، ازالشیخ الطبرسی

الاستیعاب، ازحافظ ابن عبدالبر قرطبی (متوفی ۴۶۳ ھجری)

الامام علی علیہ السلام، ازالشیخ جواد مفتیۃ

الانتصار، ازشریف مرتضیٰ

البیان والتعریف، از حسینی

التنبیۃ والاشراف، از ابو الحسن المسعودی (متوفی ۳۴۶ ھجری)

الثاقب فی المناقب، مناقب اہل بیت، ترجمہ: القطرۃ من بحار مناقب النبی والعترۃ، از آیت اللہ سیّد احمد مستنبط

الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، از جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ ھجری)

الدر فی اختصار المغازی والسیر، از الحافظ یوسف بن البر (متوفی ۴۶۳ ھجری)

الرحیق المختوم، از مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، (طبع لاھور)

الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، از محب طبری

الزرقانی علی المواھب، از علامہ زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ ھجری)

السیرۃ النبویۃ، لابن ھشام القسم الثانی، لالجز الثالث والرابع

السیف الجلی علیٰ منکر ولایۃ علی علیہ السّلام، از ڈاکٹر محمد طاھر القادری

الشریف المرتضح، از الفصول المختارہ

الشفاء، از قاضی عیاض

الصارم المسلول علی شاتم الرسول، از تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی (۷۲۸ ھجری)

الصحیح، از ابن حبان

العبر فی خیر من غیر، از حافظ ذھبی، مطبع کویت

الفاروق، از مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی طبع اوّل ۱۹۹۱ء

الفردوس، از حافظ دیلمی (متوفی ۵۵۸ ھجری)

القول البدیع، از محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (متوفی ۹۰۲ ھجری)

الکامل، از ابن الاثیر

المسائل العکبریة، از الشیخ المفید

المستدرك علی الصحیحین، از ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

المسند ابو یعلی، از ابو یعلیٰ (متوفی ۹۱۹ ھجری)

المصنف، از ابن ابی شیبۃ

المعجم الاوسط، از حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ھجری)

المعجم الکبیر، از حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی ۳۶۰ ھجری)

المغازی للواقدی، از ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)

المواھبُ اللدنیة، از احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ ھجری)

النور المبین فی قصص الانبیاء والمرسلین، از علامہ جزائری

الوثائق السیاسیة، طبع مصر

امالی، از شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ ھجری)

بحار الانوار، از علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)

پیغمبر اعظم و آخر صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم، از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، مطبوعہ فیروز سنز، پاکستان

تاریخ الاسلام السیاسی، از حسن ابراھیم حسن (متوفی ۱۳۴۷ء)

تاریخ ابن الوردی، از ابن الوردی (متوفی ۷۴۹ھ ۱۳۴۹ء)، طبع مصر

تاریخ ابن خلدون، از ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)

تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنھایہ) از ابو الفداء عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)

تاریخ ابو الفدا، از ابو الفدا عمادُالدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)

تاریخ، از امیر حیدر احمد شہابی، طبع مصر

تاریخ، از کاسن ڈی پرسون

تاریخ ازبکستان، ازسیّد کمال الدین احمد، طبع ویب سائٹ، دین اسلام

تاریخ اسلام، ازذاکر حسین

تاریخ اسلام، ازشاہ معین الدین احمد ندوی

تاریخ اسلام، ازعلامہ علی نقی نقوی

تاریخ اسلام، ازعلامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)

تاریخ بغداد، ازحافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ)

تاریخ خمیس، ازحسین بن محمد دیاربکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۴ء)

تاریخ خواص عامہ، ازابن جوزی

تاریخ دمشق (عساکر)، ازعلی ابن حسین ابن عبداللہ ابن عساکر دمشقی (متوفی ۵۷۱ ہجری)

تاریخ دمشق الکبیر، ازابن عساکر (متوفی ۱۱۷۵ء)

تاریخ طبری، ازابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری) عربی، طبع مصر

تاریخ طبری، ازابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ہجری) اردو، نفیس اکیڈمی، کراچی پاکستان

تاریخ کامل، ازعلامہ ابنِ کثیر

تاریخ کبیر، ازعلامہ ابن جریر طبری، طبع مصر

تاریخ واقدی، ازابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (متوفی ۸۲۲ء)

تاریخ یعقوبی، ازابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، طبع نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان

تذکرۃ الخواص، ازسبط ابن جوزی

ترجمان القرآن، ازابوالکلام احمد

ترجمہ تاریخ ابوالفدا، ازمولانا کریم الدین حنفی، طبع لاہور

تفسیر القرآن، ازمولانا سیّد ظفر حسن

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ، از علامہ حسین بخش جاڑا

تفسیر توریت، از پی شلومر اسحاق (مفسر توریت)

تفسیر فرات کوفی، از ابوسعید

تفسیر معروف، از فخر الدین الرازی (متوفی ۱۲۰۹ء)

تفسیر نمونہ، از آیت اللہ مکارم شیرازی

تلخیص المستدرک، از شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی (متوفی ۸۴۷ ھجری)

تلقیح الفھوم، از ابن ھشام (متوفی ۸۳۳ء)

توضیح المسائل، از آیت اللہ سیّد علی حسینی سیستانی

تہذیب الاحکام، از محمد بن حسن طوسی

تہذیب الاسماء، از انووی

جامع المدارک، از سیّد خوانساری

جواھر الکلام، از شیخ جواھری

جامع ترمذی

جذبُ القلوب، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)

چودہ ستارے، از علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)

حِصن حصین، از محمد بن محمد جزری شافعی (متوفی ۱۴۲۹ء)

حکایاتُ القرآن، از سیّد محمد صحفی ،طبع جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

حیاتُ القلوب، از علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، ناشران امامیہ کتب خانہ، لاہور

حیات محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، از محمد حسین ہیکل

خصائص نسائی، از حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ ہجری)

خطباتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، از مولوی محمد عبداللہ، طبع دائرۃ المعارف، لاہور

درالسحابہ، ازشوکانی

درمنثور، ازابن مدویۃ

دعوت دہلی سیرۃ طیبہ نمبر ۱۶ ستمبر ۱۹۵۹ء، ازمولوی عبدالباری ایم اے

دلائل الخیرات کانپوری، ازمحمد عبدالحق مہاجر

دی پرافٹ اینڈ دی ایج آف کیلی فیٹس، ازہیوا ین کینیڈی، طبع لندن

The Prophet and the Age of Caliphates

دی پریچنگ آف اسلام، از سرتھامس واکر آرنلڈ (متوفی ۱۹۳۰ء)

The Preaching of Islam

دی سوشل سٹرکچر آف اسلام، ازروبن لیوی (متوفی ۱۹۶۶ء)، طبع کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء

The Social Structure of Islam

دی عرب سولائزیشن، ازجوزوف ہیل، طبع ڈبلیو ہیفر اینڈ سنز، کیمبرج ۱۹۲۶ء

The Arab Civilization

دی عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال، ازجولیس ویل ہاسن (متوفی ۱۹۱۸ء) طبع یونیورسٹی آف کلکتہ، ۱۹۲۷ء

The Arab Kingdom and Its Fall

دی لائف اینڈ ٹائمز آف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ازجان بیگٹ گلب پاشا (متوفی ۱۹۸۶ء)، طبع نیویارک

The Life and Times of Mohammad (p.b.u.h)

دی میسیج (The Message)، ازآیت اللہ جعفر سبحانی

دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر، ازایڈورڈ گبن (متوفی ۱۷۹۴ء)

The History Of The Decline And Falls Of Roman Empire

ذخائز العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ازمحب طبری

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی، ازمحمد حمیداللہ

روضۃ الاحباب، از جمال الدین محدث

روضۃ الصفا، از محمد بن خاون شاہ، غیاث الدین خواند

رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مطبوعہ مرکز الحرمین الاسلامی

روح المعانی، از شہاب الدین محمود آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ ہجری)

روضۃ الواعظین، از قتال نیشاپوری

زادلمعاد، از ابن القیم (متوفی ۷۵۱ ہجری)

سبل السلام، از صنعانی

سفینۃ البحار، از محدث شیخ عباس قمی (متوفی ۱۳۵۹ ہجری)

سلمانِ محمدی، از مولانا مقبول احمد

سنن ابی داؤد، از حافظ ابی داؤد سلیمان (متوفی ۲۸۵ ہجری)

سنن الترمذی، از محمد ترمذی (متوفی ۲۷۹ ہجری)

سنن الکبریٰ، از ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (متوفی ۴۵۸ ہجری)

سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ)، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

سیر اعلام النبلاء، از ذہبی

سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (اردو)، از ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)

سیرتِ سیّد الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)، از عبدالرحمٰن ابن جوزی

سیرت ابن ہشام، از ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)

سیرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام، از سلطان مرزا دہلوی

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مستشرقین، از ڈاکٹر عبدالعلیم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، از مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، طبع چہارم مطبع معارف اعظم گڑھ

شذرات الذهب فی اخبار من ذهب لابن العماد الحنبلی، از ابن العماد الحنبلی

شرح ابن ابی الحدید

شرح المواهبُ اللدنیة. از محمد الزرقانی (متوفی ۱۱۲۲ هجری)

شواهد النبوت، از مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی (متوفی ۱۴۹۲ء)

صحیح بخاری، از محمد بن اسماعیل بخاری

صحیح مسلم، از ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین

صفوة الصفوه ا، از ابن جوزی

الصواعق المحرقة، از الشیخ احمد ابن حجر المکی (متوفی ۹۷۴ هجری)

طبقات ابن سعد، از محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ هجری)

عرائس المجالس، از ابو اسحاق احمد ثعلبی (متوفی ۴۲۷ هجری)

علل الشرایع، از الشیخ الصدوق بن بابویة ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین

عیون اخبار الرضا، از شیخ ابی جعفر الصدوق (متوفی ۳۸۱ هجری)

عہد نبوی کا نظام حکمرانی، از محمد حمید اللہ

فتح البیان فی مقاصد القرآن، از نواب صدیق حسن خان قنوجی

فتح القدیر، از محمد بن علی بن محمد شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ هجری)

فروع کافی، از محمد بن یعقوب کلینی، مطبوعہ ایران ۱۳۱۵ هجری

کتاب مستطاب الشافی، از مولانا سید ظفر حسن، (ترجمہ اُصول کافی، شیخ محمد بن یعقوب کُلینی، متوفی ۳۲۹ء)

کتاب مستطاب مجمع الفضائل، از مولانا سیّد ظفر حسن (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب)

کذا فی الشفا، از قاضی عیاض

کشاف (زمخشری)، از محمود ابن عمر الزمخشری (متوفی ۵۳۸ھجری)

کشف الانوار ترجمہ فارسی بحار (طبع ایران)

کفایۃ الأثر فی النص علی الأئمۃ الإثنی عشر

کمال الدین، از الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین

کنز العمال، از علامہ علا الدین علی متقی بن حسام الدین

کتاب السنن، از سعید بن منصور (متوفی ۲۲۷ھجری)

کشف الخفا، از عجلونی (متوفی ۱۱۶۲ھجری)

کشف الغمہ، از علی بن عیسیٰ اربیلی (متوفی ۶۹۴ھجری)

کیرالہ میگزین ۱۹۴۸

لٹریری ہسٹری آف دی عربز، از رینالڈ ایلین نکلسن (متوفی ۱۹۴۵ء) طبع کیمبرج یونیورسٹی ۱۹۵۳ء

Literary History of the Arabs

لوامع التنزیل، از علامہ جلال الدین

مائیکروسافٹ انکارٹا انسائیکلوپیڈیا

مبانی تکملۃ المنہاج، از آغا خوئی

مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، از شیخ صدوق بن بابویہ، ناشر ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

مجمع الزوائد و منبع الفوائد، از ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر ھیثمی شافعی

مجمع النورین، از شیخ ابو الحسن نجفی

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، از محمد الخضری (متوفی ۱۳۴۶ء)

محاضرۃ الابرار، از علامہ ابن عربی (متوفی ۱۲۴۰ء)، مطبوعہ مصر

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اینڈ دا کونکوئسٹس آف اسلام، از فرانسسکو جبریلی (متوفی ۱۹۹۶ء)

Mohammad (p.b.u.h) and the Conquest of Islam

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایٹ مدینہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں) ،از ولیم منٹگمری واٹ (متوفی ۲۰۰۶ء)، طبع کراچی

Mohammad (p.b.u.h) At Madina

مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، از محمد بن عبد الوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ ھجری)

مدارج النبوّت (اردو)، از شیخ عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، ناشر شبیر برادرز، لاہور

مراۃ الجنان للیافی، مطبوعہ حیدر آباد دکن

مروج الزھب ومعادن الجواھر (تاریخ مسعودی) از ابو الحسن بن حسین بن مسعودی

مستدرك الوسائل، از میرزا حسین نوری

مستدرك حاکم، از الحاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ ھجری)

مستدرك علی الصحیحین، از الحاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ ھجری)

مسلم انسٹی ٹیوشنز، از ماؤرس گاڈفرائے ڈی ماماینز (متوفی ۱۹۵۷ء)، طبع لندن ۱۹۵۴ء

Muslim Institutions

مسلمانانِ عالم، از کے اے حمید (بیرسٹر ایٹ لاء)

مسند احمد بن حنبل، از ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی

مسند، از اسحاق بن راھویہ

مسند امام رضا علیہ السلام

مشکوٰۃ المصابیح (مشکوٰۃ شریف)، از امام ولی الدین محمد ابن عبد اللہ الخطیب

معجم البلدان، از شھاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ رومی

مقاتل الطالبین، از علی بن حسین بن محمد بن احمد بن ھیثم، معروف بہ ابو الفرج اصفھانی

مناقب ابن شھر آشوب، از علامہ شھر آشوب

مناقب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام، از ڈاکٹر طاہر القادری

منہاج الصالحین، از الشیخ وحید الخراسانی

موارد الظمآن، از ھیثمی

میثاقِ مدینہ، از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

نُور الابصار، از الشیخ بن حسن مؤمن الشبلنجی

نقوشِ عصمت، از علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی (متوفی ۲۰۰۰ء)

نوادر المعجزات، از ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ ھجری)

نور الابصار فی مناقب اهل بیت النبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، از الشیخ مومن الشبلنجی

نیل الاوطار، از شوکانی

وسائل الشیعه، از محمد بن حسن الالمعروف به شیخ حر عاملی

وکی پیڈیا اُردو

سیّد حماد رضا بُخاری کی اسلامی کتب

بلغ العلیٰ بکمالہ

(حیات طیبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

صلوا علیہ وآلہ

(فضائل دُرود، دُعا ومناجات)

ناخدا

(حیاتِ سیّد الشہدا امام حسین علیہ السلام)

(جلد آرہی ہے، ان شاء اللہ)

مؤلف: سیّد حماد رضا بخاری